Regd No. L-WAN-
Fax No.: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 323864

TAMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India) Rs 6

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شرک و فسق سے پرہیز

حضرت قطب ربانی (شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا: میں تجھے تاکید کے ساتھ ان چیزوں کی وصیت و تلقین کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کھا، اور اس کی فرمانبرداری کر۔ ظاہر شریعت کی پابندی کر، اپنے سینہ کو شرک و فسق کی کدورت سے پاک رکھ، بخل سے بچ، اور عدل و سخا اختیار کر، حقوق العباد کو کسی بھی ذریعہ سے غصب مت کر، خوش خلقی اختیار کر، اور اپنے چہرے کو ہشاش و بشاش رکھ، تصرف میں آنے والی جائز و مباح چیزوں کو خرچ کر، خلقِ خدا کی ایذا رسانی نہ کر، فقر و طریقت میں جو مصائب و مشکلات پیش آئیں ان پر تحمل کر، اور یقین و خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استعانت کا طلب گار ہو، اولیاء اور مشائخ کی عزت و حرمت کو نگاہ میں رکھ، مسلمان بھائیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کر، اور دیانتداری سے پیش آ، اپنے سے بڑوں کا ادب کر اور چھوٹوں کو نیک کاموں کی نصیحت کر، مصیبت زدہ اور درماندہ لوگوں کی حاجت برآری کر، اجناس اور اشیائے ضروریہ کا اپنے یہاں ذخیرہ مت کر کہ اس سے خلقِ خدا مصیبت میں مبتلا ہوتی ہے، جو لوگ فاسد و فاجر ہیں، اولیاء اللہ کی عزت نہیں کرتے، ان کی صحبت چھوڑ دے، دینی و دنیوی امور میں بندگانِ خدا کی امداد و اعانت کر۔ فقر کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے ہم جنسوں کا محتاج نہ ہو اور اپنی حاجت و ضروریات صرف اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرے اور غنا یہ ہے کہ حسبِ ارشاد نبویؐ تجھے فنائے نفس حاصل ہو جائے اور تو مخلوقات کی جانب رجوع کرنے کے بجائے ربِ واحد کو اپنا ملجا و ماویٰ بنالے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

(فتوح الغیب ص ۱۹۱)

۲۵ جولائی ۱۹۹۹ء | سالانہ ۱۳۰ روپے | فی شمارہ ۶ روپے

آپ کی خدمت میں جدید و دلکش

سونے چاندی کے زیورات کیلئے

ہمارا نیا شوروم

گہنہ پیلس

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

فون نمبر ۲۶۰۴۳۳ - ۲۴۲۹۴۶

IZHAR AHMAD & SONS
Perfumers
CHOWK, LUCKNOW-3

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبو دار عطریات، عمدہ و اعلیٰ قسم کے روغنیات و عرق کیوڑہ، عرق گلاب و دیگر عطریات کی ایک قابل اعتماد دوکان۔ ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

SHOP. 255257
RES. 268898

خط و کتابت کا پتہ

اظہار احمد اینڈ سنس پرفیومرس، چوک لکھنؤ

چشمہ ساگر

جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ ہوتی ہے۔

AUTO REFRCCTO METER AR.8 60

فوٹو کرومک، کوٹیڈ لینس، ہائی انڈیکس ریزی لینس، فینسی بارڈر و دھوپ کے چشموں کا خاص مقام۔

ایک بار خدمت کا موقع دیں

آپٹیشین۔ اے۔ رحمٰن (علیگ)

شنکر جی کی مورتی کے نزدیک، معتبر گنج۔ اعظم گڑھ

کیپ کے اوپر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیئے

منو کا بنا

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ کٹنے، جلنے کی مشہور دوا

(انڈین کیمیکل کمپنی، منوناتھ بھنجن (یوپی)

تعمیرِ حیات میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر (۳۶) — شمارہ نمبر (۱۸)

۲۵ جولائی ۱۹۹۹ء — مطابق — ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ

زیر نگرانی

- مولانا قاضی معین اللہ ندوی
- مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- مولانا عبد اللہ عباس ندوی
- پروفیسر وصی احمد صدیقی

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مجلس ادارت

مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد اللہ حسنی ندوی — ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

زر تعاون

سالانہ — ۱۳۰/- روپے

فی شمارہ — ۶/- روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک

ایشیائی یورپی، افریقی و امریکی ممالک

بیرونی ممالک بحری ڈاک ۳۰ ڈالر

بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

مینیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

پرنٹر و پبلشر شاہد حسین نے بار کیو آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

درس حدیث

باہمی گفتگو اور عقلی صلاحیت

کا اندازہ کر کے تعلیم و تربیت کا طریقہ

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ — ترجمہ: شمس الحق ندوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا ایک طریقہ یہ تھا کہ مخاطب سے بات چیت کر کے جس چیز سے منع کرنا ہوتا عقلی طور پر اس کی گندگی اور برائی کو ذہن میں بٹھا کر اس کی تربیت فرماتے تھے اس طرح اس کو بے چون و چرا اپنی عادت کا چھوڑنا آسان ہو جاتا تھا۔

امام بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے موقع پر عید گاہ کے لئے نکلے، تو آپ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے عورتو! تم صدقہ ضرور کرو، (شب معراج میں مجھے دکھایا گیا) کہ جہنم میں تمہیں لوگ زیادہ ہو، عورتوں نے سوال کیا، اللہ کے رسول ایسا کیوں؟ آپ نے فرمایا: تم لعن طعن بہت کرتی ہو، ذرا سی بات پر، شوہروں کی ناشکری کرتی ہو، تم سے بڑھ کر کم عقل، دین میں ناقص اور ہوشیار مردوں کی عقل اڑا دینے والی تم سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

عورتوں نے عرض کیا اللہ کے رسول! ہمارے دین اور عقل میں کیا کمی ہے؟ کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی آدھی نہیں؟ جواب دیا کیوں نہیں، یہ عورت کی عقل کی کمی کے سبب ہے، کیا ایسا نہیں کہ عورت حالت حیض میں نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے؟ عورتوں نے جواب دیا کیوں نہیں آپ نے فرمایا یہ عورت کے دین کی کمی ہے۔"

حضورؐ حاضرین کی فہم کے مطابق بات کرتے تھے

کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام سے کسی چیز کے بارے میں پوچھتے تھے حالانکہ آپ اس بات کو جانتے تھے، ان سے سوال کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ ان کی ذہانت و قوت فکر یہ کو بیدار کریں، دماغ کو حرکت دیں، اور گفتگو کے انداز میں ان کو جام پلائیں تا کہ یہ اندازہ لگا سکیں کہ ان کی فہم علم کی صلاحیت کتنی ہے۔

امام بخاری و مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا: "اسی اثنا میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ کھجور کا مغز لایا گیا، آپ نے کھجور کھاتے ہوئے فرمایا: درختوں میں ایک ایسا ہرا بھرا درخت ہے اس کی خیر و برکت اور نفع مسلمان کی خیر و برکت اور نفع کی طرح ہے، اس کا پتہ نہ گرتا ہے نہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے، وہ اللہ کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے، وہ مسلمان کے مثل ہے تم بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ لے

حضرت عبد اللہ رضؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے ذہن صحرا کے درختوں کی سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کونسا

لے کھجور کی ہر چیز انسان کے کام آتی ہے ہر وقت ہرا بھرا رہتا ہے پھل برابر دیتا رہتا ہے، مسلمان کا معاملہ بھی یہی ہے کہ وہ سراپا نفع اور ایثار و قربانی ہے، دوسروں کے لئے باعث رحمت ہے۔

درخت ہو سکتا ہے، کسی نے کسی درخت کا نام لیا، کسی نے کسی درخت کا، میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہو سکتا ہے، دل میں آیا کہ کہوں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ مجلس میں سمر بوگ موجود ہیں، لہٰذا کہنے میں لحاظ معلوم ہوا اس لئے کہ میں کم عمر نوجوان تھا، پھر میں نے نظر دوڑائی تو میں دس آدمیوں میں سے ایک تھا، میں ان میں سب سے کم سن اور چھوٹا تھا، ہم نے دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے حضرات نہیں بول رہے ہیں، تو میں خاموش رہا، جب وہ دونوں حضرات نہ بولے تو حاضرین نے عرض کیا اللہ کے رسول آپؐ ہی بتا دیں کہ وہ کونسا درخت ہے، تو آپؐ نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے۔

جب مجلس سے اٹھے تو اپنے والد حضرت عمرؓ سے کہا: ابا جان! خدا کی قسم میرے دل میں کھجور ہی کا درخت آیا تھا، تو انھوں نے کہا، پھر تم نے کہا کیوں نہیں؟ کس وجہ سے خاموش رہے؟ عرض کیا ہم نے دیکھا کہ جب معمرؓ حضرات نہیں بول رہے ہیں تو میں کیسے جرأت کروں؟ نہ حضرت ابو بکرؓ بولے نہ آپ بولے، اور میں کم عمر نوجوان، مجھے کہتے شرم آئی، اور کچھ کہنا اور بولنا پسند نہیں کیا، لہٰذا چپ رہا، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم نے یہ بات بتا دی ہوتی تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند و محبوب ہوتی کہ مجھ کو کوئی بڑی دولت مل جاتی۔

حدیث سے معلوم ہونیوالے تربیت کے مختلف طریقے

۱۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم حاضرین سے سوال کر کے ان کی سمجھ اور فہم کا اندازہ اور سوچنے اور توجہ کرنے کا شوق دلائے، اور پھر جوابات وہ نہ سمجھ سکیں ان کی وضاحت کرے اور ان کو سمجھائے۔

۲۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ علم کو سمجھنے پر آمادہ کیا جائے۔

۳۔ مثالیں اور تشبیہات بیان کر کے ان کی

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

اِس شمارے میں

۱	درس حدیث	شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ	۲
۲	شیخ علی طنطاوی (اداریہ)	ع ۔ ع ۔ ن	۵
۳	سب سے زیادہ پیارا لفظ	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	۷
۴	امت مسلمہ کا کردار	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۹
۵	سب سے پہلے شہید اشفاق اللہ خاں	اشفاق اللہ خاں	۱۲
۶	علامہ مصطفیٰ زرقاء کا سانحۂ وفات	علی احمد ندوی	۱۳
۷	حیدرآباد میں نو دن	مولانا عبداللہ عباس ندوی	۱۶
۸	نعت رسولؐ دل ریزہ ریزہ	پروفیسر وصی احمد صدیقی	۱۹
۹	خطبات حیدرآباد	محمد بہاء الدین	۲۳
۱۰	سفر نامہ اردن و شام	پروفیسر محمد اجتبا ندوی	۲۵
۱۱	عالمی خبریں	سید اشرف ندوی	۲۷
۱۲	سوال و جواب	مطیع الرحمٰن عوف ندوی	۲۸
۱۳	مطالعہ کی میز پر	محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی	۲۹
۱۴	شاہان ہند کی وسیع النظری	رویندر چوپڑا	۳۱

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کانی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs. 30
۲۔ تعمیر حیات کانی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs. 40
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P.O. Box No. 842, Madina Munawwara (K.S.A.)	مدینہ منورہ
Mr. M. AKRAM NADWI O C I S., St Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K.	برطانیہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P.O. Box 388, Vereninging,(S. Africa)	ساؤتھ افریقہ
Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P.O. Box No. 10894, DOHA-QATAR	قطر
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P.O. Box No. 12525, DUBAI (U.A.E.)	دبئی
Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H. No. 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)	پاکستان
Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)	امریکہ

اداریہ

شیخ علی طنطاوی

اللہ کی رحمتیں ہوں علامہ علی طنطاوی پر، وہ واقعی علامہ تھے، اگر عربی میں ان کا تعارف کرانا ہوتا تو "عالم الواسع الثقافۃ" کہتا، گوناگوں اور متنوع اقسام کے علوم سے آگاہ، بہت وسیع نظر اور گہرا مطالعہ رکھنے والے ادیب، اعلیٰ درجہ کے انشا پرداز، صاحب طرز اور صاحب دل۔ تاریخ اسلامی کی جزئیات پر عبور اور اجتماعی مسائل میں دسترس، قرآن کریم کا عشق رگ و ریشہ میں پیوست اور حبِ نبویؐ میں ہمیشہ سرشار اور مست، قلب پر اسلامی قدروں کی حکمرانی اور مزاج و اخلاق میں ایمان کی روشنی اور تابانی، سیر چشم، بامروت، طبیعت حساس، قوت ادراک تیز، حافظہ اس قدر مضبوط جیسے ایک متحرک انسائیکلوپیڈیا۔ مزاج میں خشکی اور سوکھا پن بالکل نہیں تھا جو بعض فلسفہ زدہ قسم کے لوگوں میں ہوتا ہے بلکہ خوش مزاج، ہنسنے بولنے، دوسروں کی دل دہی کرنے والے۔ "ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم" کا مصداق تھے۔ دوسرا مصرعہ نہیں پڑھ رہا ہوں" رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن" کیونکہ میں نے ان کے فولادیت کا کوئی منظر نہیں دیکھا اور نہ کسی معرکۂ حق و باطل کو سر کرتے پایا۔

طنطا (مصر) ان کا آبائی وطن تھا جس کی طرف وہ نسبت کرتے تھے، لیکن پیدا ہوئے، پلے بڑھے دمشق میں، رنگ بہت گورا تھا جس میں سرخی دمکتی تھی، قدموزوں، جوانی میں ایک ڈھلے ڈھلائے سنگ مرمر کا مجسمہ معلوم ہوتے تھے، جب شام کی اسلام کش اور مسلم دشمن فوجی حکومت سے جان بچا کر مکہ مکرمہ میں پناہ گزیں ہوئے تو عربی ثوب و شملہ میں ایک ترکی نسل کے شیخ معلوم ہوتے تھے۔ سعودی ریڈیو سے ہر جمعہ کو ان کا ایک پروگرام ہوتا تھا۔ جو کچھ کہتے وہ ارتجالاً (بغیر لکھے ہوئے، فی البدیہہ) کہتے تھے۔ سوالات کے جواب بہت جامع اور عالمانہ دیا کرتے تھے، اور اپنے شامی لہجے میں بولا کرتے اور بلا جھجک بولا کرتے۔ رمضان میں افطار سے چند منٹ پہلے ان کا محاضرہ ہوتا تھا، (جو کئی ماہ پہلے سے ان کے گھر پر تیار کر لیا جاتا اور رمضان میں ہر روز تاریخ کی مناسبت سے نشر کیا جاتا) افطار کے وقت کی دعائیں خاص انداز میں پڑھتے جس کے اندر خشوع بھی ہوتا اور دردمندی کا اظہا ہوتا۔

انھوں نے مشرق و مغرب کے بہت سفر کئے، ایک سال وہ اور عراق کے ایک بڑے شیخ و دینی فکر میں سرگرداں رہنے والے بزرگ شیخ امجد الزہاویؒ ملیشیا، انڈونیشیا سے واپسی میں ہندوستان آئے، اس سفر کی روداد بڑے مزے لے لے کر سناتے تھے اور لکھا بھی ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم سے ملنے کا اشتیاق، پھر بغیر اطلاع کے لکھنؤ ایرپورٹ پر پہونچنا، وہاں سے ٹیکسی پر ہوٹل (کارلٹن، حضرت گنج) آنا۔ یہاں لوگوں کا انھیں ریلوے اسٹیشن پر تلاش کرنا، شیخ امجد الزہاوی کی بے قراری، اردو جانتے نہیں، انگریزی سے واقف نہیں، عربی یہاں کوئی سمجھتا نہیں اور ایک یورپین زبان فرنچ جو یہ حضرات جانتے تھے اس کا یہاں کوئی واقف کار نہیں، اشاروں اشاروں میں انھوں نے اپنا کام چلایا۔ ہوٹل سے ٹیکسی لی، مگر کہاں جانا ہے اس کو کیسے بتائیں، لیکن ڈرائیور کو اشارے سے بتایا کہ دائیں جانب چلو۔ پھر جو موڑ آیا تو دائیں جانب اشارہ کر دیا۔ اور دیکھتے جاتے تھے کوئی مسلمان صورت نظر آئے تو اس سے دریافت کریں شیخ ابوالحسن کہاں رہتے ہیں۔ اتنے میں ایک نوعمر لڑکا ملا، اس کو اشارہ سے روکا، السلام علیکم عربی لہجہ میں کہا تو وہ چونکا، اس سے عربی میں پوچھا کہ تم شیخ ابوالحسن الندوی کو جانتے ہو؟ تو اس نے پوچھا آپ امجد الزہاوی یا علی طنطاوی تو نہیں ہیں؟ جواب دیا کہ میں علی طنطاوی ہوں، یہ نوعمر طالب علم آج ڈاکٹر مولانا محسن عثمان ندوی استاذ دہلی یونیورسٹی کی حیثیت سے معروف ہیں۔

ندوہ آئے، مولانا سے ملے، طلبہ اور اساتذہ سے ملے، ادھر بیٹھے، ادھر گئے، بالآخر کہنے لگے "جا ایں جا است" "جگہ یہی جگہ ہے" اور لکھا:

میری عمر پچاس برس کی ہوگئی، اللہ نے عزت دی، عہدہ دیا، بقدر ضرورت مال بھی دیا، دنیا بھی دیکھی، ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں پھرے،

اگر کوئی پوچھے کہ میری تمنا اب کیا ہے؟ تو کہوں گا کہ میری ساری آرزوئیں سمٹ کر ایک نقطہ پر جم گئی ہیں اگر مجھے ایک بار نوعمری کا زمانہ مل جائے تو ندوہ کا طالب علم بن جاؤں۔

یہ بات لایعنی انداز کی مبالغہ آمیز تحسین سمجھی جائے گی، ہر شخص کتاب المعائشہ پڑھنے والی اور قدر دانی میں مبالغہ سے اپنے تأثرات بیان کرتا ہے، لیکن اس تحریر کے لکھنے کے چالیس سال بعد، سعودی ٹیلی ویژن والوں نے ان سے سوال کیا کہ آپ دنیا میں کس ملک میں رہنا پسند کرتے ہیں؟ جواب دیا "سب سے اشرف مقام تو حرمین شریفین کی سرزمین ہے، اگر یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوا تو وطن دمشق کو ترجیح دوں گا اور اگر وہ بھی معدرہ نہیں ہوا تو شیخ ابوالحسن (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ) کا وطن اور مدرسہ، لکھنؤ اور لکھنؤ میں ندوۃ العلماء۔

ایک مرتبہ ٹی وی والوں نے پوچھا کہ آپ کس کی کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں؟ جواب دیا ابوالحسن علی الندوی کی، اس میں ایمان کی حرارت، ضمیر کی زندگی، غیرت اسلامی، اور بغیر کسی بناوٹ اور تصنع کے دین کی محبت کا بے پناہ جذبہ ہے۔

حضرت مولانا نے ان سے فرمائش کی کہ ان کی کتاب "الطریق الی المدینہ" پر مقدمہ لکھیں، مقدمہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

"برادرم مولانا ابوالحسن! آپ نے مجھ سے اپنی کتاب "الطریق الی المدینہ" پر مقدمہ لکھنے کی خواہش کی ہے، میں معذرت کرتا ہوں، یہ کام مجھ سے نہ ہوگا، مقدمہ نگار کی حیثیت ایک ایجنٹ کی ہوتی ہے جو مال اور تاجر کا تعارف کراتا ہے مگر جب خریدار خود مال اور تاجر سے زیادہ واقف ہوں تو ایجنٹ کی درمیان میں کیا ضرورت ہے، ہاں آپ کی تحریر نے جذبات زندہ کر دیئے، شوق مدینہ پھر دل میں کروٹ لینے لگا، وہ بھی کیا زمانہ تھا جب مہینوں کی تیاریوں کے بعد کئی روز کے باختشقت سفر کے بعد مدینہ منورہ پہونچا کرتے تھے اور اب تین گھنٹے کی مدت میں دمشق سے مدینہ منورہ پہونچ جاتے ہیں مگر وہ شوق وولولہ نہیں رہا، وہ آرزوئے حرم، شدت اشتیاق جو پہلے تھا اب نہیں رہا، کسبنا الوقت وخسرنا العواطف (ہم نے وقت تو بچا لیا مگر جذبات شوق کھو بیٹھے۔

علی طنطاوی کا مقدمہ پورے عربی ادب کی تاریخ، مدارس کا نصاب، طریق تدریس کا بھرپور جائزہ ہے، علامہ علی طنطاوی بالطبع ادیب تھے، ادبی حس ان کے اندر رچی ہوئی، طبیعت کا جزبن گئی تھی۔ وہ ایک ادیب، قاضی محکمہ تمیز، انسپکٹر آف ایجوکیشن کی حیثیت سے دنیا میں نمودار ہوئے اور صوفیانہ مزاج، اسلامی اخلاق اور دینی رجحانات کے داعی ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ طاب حیًا ومیتًا، غفر اللہ لہ۔

سب کے بس کی بات نہیں

از: ڈاکٹر محمد حسین فطرت بھٹکلی

ابراہیمیؑ شان دکھانا سب کے بس کی بات نہیں
انگاروں میں پھول کھلانا سب کے بس کی بات نہیں
مومن کامل بن کے دکھانا سب کے بس کی بات نہیں
باطل کا ہر نقش مٹانا سب کے بس کی بات نہیں
سر کے ساتھ ہی دل کو جھکانا سب کے بس کی بات نہیں
روح کو بھی سجدے میں گرانا سب کے بس کی بات نہیں
خون جگر آنکھوں میں لگانا سب کے بس کی بات نہیں
پانی میں اک آگ لگانا سب کے بس کی بات نہیں
کفر و باطل کی آندھی میں تند ہوا جب چلتی ہو
ایماں کے فانوس جلانا سب کے بس کی بات نہیں
اسلامی اخلاق کی دولت کاش عطا ہو تجھ کو بھی
کانٹے لے کر پھول لٹانا سب کے بس کی بات نہیں
اک ہمسایہ جب بھوکا ہو اُس کو بُلا کر اپنے گھر
اپنا کھانا اُس کو کھلانا سب کے بس کی بات نہیں
لوگوں کی عادت تو یہ ہے لبنوں سے کرتے ہیں پیار
دشمن سے بھی ہاتھ ملانا سب کے بس کی بات نہیں
شاعر ہی کا کام ہے یہ وہ من میں آگ لگاتا ہے
سب کے من کی جوت جگانا سب کے بس کی بات نہیں
فطرت ہم نے یہ دیکھا ہے دعویٰ تو سب کرتے ہیں
دعوے کو سچ کر کے دکھانا سب کے بس کی بات نہیں

سب سے زیادہ پیارا لفظ

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"
(الانبیاء ۱۰۷)

اس آسمان کے شامیانے کے نیچے، زمین کے فرش پر آفتاب کو قندیل بنا کر، چاند کو شمع بنا کر ایک سوال کیا جائے کہ بتاؤ سب سے زیادہ پیارا لفظ کون سا ہے تو میں سمجھتا ہوں اور دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سب کی طرف سے جواب ہوگا کہ "رحم"

ایک چیز جس کا دنیا میں کوئی شاکی نہیں، کوئی اس کا فریادی نہیں، کوئی اس پر تنقید کرنے والا نہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کا مارا ہوا ہوں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کا زخمی ہوں۔

وہ ہے صرف رحم دل، وہ ہے صرف رحم۔

کون ہے دنیا میں جو آج بتا دے مخالفوں میں بتا دے، ہمنواؤں میں بتا دے فاتحوں اور مفتوحوں میں بتا دے، جاہلوں اور عالموں میں بتا دے، غنی اور ذہین انسانوں میں بتا دے، پسماندہ اور ترقی یافتہ قوموں میں بتا دے؟ کہ اس کو رحم کی ضرورت نہیں اس کو رحم سے انکار ہے، اس کو رحمت نہیں چاہیئے؟ ایسا وقت آتا ہے کہ آدمی کو طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی، علم کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن کوئی ایسا وقت نہیں کہ جس میں آدمی کو رحم کی ضرورت نہ ہو، رحمت کی ضرورت نہ ہو، رحم کا ہر ایک محتاج، ہر ایک قدردان۔

اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں کیا اللہ تعالیٰ نہیں کہہ سکتا تھا کہ "آپ کو ہم نے دنیا کا فاتح بنا کر بھیجا" ایسا فاتح جس کے غلاموں نے دنیا کا سب سے بڑا امپائر قائم کیا۔ انھوں نے مشرق و مغرب شمال و جنوب میں اپنی کامیابی کے پرچم لہرا دیئے ان کی حکومت کا جھنڈا چاہے نہ لہراتا ہو، سکہ چاہے نہ چلتا ہو، لیکن غلامانِ محمدؐ کے محبت کے قلمرو میں ساری دنیا شامل تھی۔

"جو دلوں کو فتح کرلے، وہی فاتح زمانہ"

جو تہذیب انھوں نے پھیلائی، جو علوم انھوں نے پیدا کئے، علم کے جو دریا بہائے، محبت کے جو چشمے رواں کئے۔ اس کے بعد آپ کو انسانیت کا سب سے بڑا فاتح سب سے بڑا معلم اخلاق، سب سے بڑا معلم کہنا بالکل صحیح ہے۔ اگر خدا یہ کہتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو دنیا کا مصلح اور معلم بنا کر بھیجا تو دنیا کے گوشے سے یہ آواز نہیں اٹھتی کہ "ہمیں اس میں شک ہے"۔ ساری دنیا کے علماء فضلاء، فلاسفہ، مفکرین، مؤرخین، ناقدین، سر جھکا کر کہتے کہ آمنا و صدقنا، بے شک آپ دنیا کے سب سے بڑے معلم اور سب سے بڑے مصلح ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرما سکتا تھا "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُعَلِّمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ" ہم نے آپ کو سارے جہانوں کا معلم اور مصلح بنا کر بھیجا، اس طریقہ سے اور بہت سے صفات ہو سکتی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صفات اور اس سے جو کام لینا ہے اس کی حقیقت جس لفظ میں سمیٹ کر آسکتی ہے وہ استعمال فرماتا ہے۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"

صفت رحمت اللہ تعالیٰ کی محبوب صفت ہے، سورۂ فاتحہ کا آغاز بھی اس نے اپنی اسی صفت سے کیا ہے، بسم اللہ میں بھی یہی صفت غالب ہے، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

قرآن مجید میں ہے۔ "رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ" (میری رحمت سب پر حاوی ہے)

دنیا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے جو کچھ ملا جو انعام ملا، جو تحفہ ملا، جو زندگی ملی، اس کے لئے اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہو سکتا تھا۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"

سب سے اہم، سب سے بنیادی، سب سے عزیز سب سے محبوب، سب سے زیادہ فراوانی کے ساتھ جو چیز ہر برادری، ہر طبقہ، ہر ملک، ہر قوم کو پوری فیاضی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی وہ ہے "رحمت" آپ کے ذریعہ اللہ کی رحمت کے دروازے کھل گئے، ساری نسل انسانی ہری ہوگئی ؎

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

مردوں پر آپؐ نے احسان کیا، عورتوں پر آپ نے احسان کیا، غلاموں پر آپ نے احسان کیا، غریبوں پر آپ نے احسان کیا جانوروں پر تک آپ نے احسان کیا، اگر ان احسانات کا ذکر کروں تو سارا وقت گزر جائے

قرآن مجید اور سیرت کی کتابوں کا آپ مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ کی شفقت و احسان سے ہر طبقہ زیر بار ہے۔

جس نے ظلم کرنے سے روکا، مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دینے کا حکم دیا، جس نے سچے تاجر کو پیغمبروں کے قرب کی شہادت دی، جس نے یتیم کی پرورش کرنے والے کی فضیلت بیان کی، جس نے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی ہدایت فرمائی جس نے غلاموں کو آقا کا ہمسر بنایا، جس نے رنگ و نسل کے امتیاز کو ختم کیا، جس نے قیدیوں کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمایا وہی ہے رحمتِ عالم، اس کا پرتو زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کو نظر آئے گا۔ فوجیوں کو ہدایت کی کہ زخمیوں کا کام تمام نہ کرنا عابدوں زاہدوں پر ہاتھ نہ اٹھانا، عورتوں اور بچوں کو ایذا نہ پہونچا، پھلدار درختوں اور ہرے بھرے کھیتوں کو نہ اجاڑنا، کسی بھی قوم کی عبادت گاہ کو نقصان نہ پہونچانا۔

وہ تو سراپا رحمت ہے۔ اس وقت کی دنیا اور موجودہ نسل انسانی آپ کو خدا کا پیغمبر مانے یا نہ مانے، لیکن سب کے سب آپ کے احسان کے سائے تلے ہیں سب آپ کے احسانات کے مقروض ہیں، چھٹی صدی مسیحی میں پوری نسلِ انسانی اپنی افادیت کھو چکی تھی۔ انسانوں سے آباد ملک جانوروں کے جنگل بن گئے تھے، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل رہی تھی۔ طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا، عام انسان غلامی کے لئے اور شہنشاہ اور امرار عیش و عشرت کے لئے زندہ تھے آپ نے تاریخ زوالِ روما پڑھئے، آپ "تاریخ اخلاق یورپ" پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ ظلم و ستم کی اور عیش و عشرت کے کیا نقشے تھے، امیروں کی دعوت میں رات کے وقت غریبوں کے جسموں سے چراغاں ہوتا تھا، انسانوں کی جسم کی شمعیں جلتی تھیں چند امیر لذتِ کام و دہن میں مصروف رہتے تو چند غریب انسان جل جل کر ہڑپ تڑپ کر وہیں دم توڑتے، ہماری اس دنیا میں ظلم کی کیسی کیسی داستانیں، کیسے کیسے واقعات ہوئے، کوئی سکندر اور سیزر بن کر دنیا کو تہہ تیغ کر رہا تھا، کوئی نیرو کے روپ میں روم کو آگ لگا رہا تھا، ہوس ملک گیری میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کبڈی کھیلی جا رہی تھی، دنیا نے خدا کے دربار میں نالش کر دی تھی کہ ہمیں ختم کر دیا جائے، وہ زبانِ حال سے کہہ رہی تھی کہ ہماری اب ضرورت نہیں، ہم وحشی بن گئے ہیں، خدا کو سب بھلائے ہوئے تھے، انسان انسان کا معبود بن گیا تھا، ساری دنیا میں فساد عام تھا، بڑی بات یہ تھی کہ برائیوں کو ہنر سمجھا جا رہا تھا، جیسا کہ ہمارے عزیز مولوی اسحاق جلیس صاحب نے کہا، برائیاں تو ہر زمانے میں رہی ہیں لیکن یہ دور ایسا تھا کہ برائیوں سے لڑنے والا، ان سے پنجہ آزمائی کرنے والا، کوئی نہیں تھا، بیشک شاعری تھی، ذہانت تھی، ایران میں بڑے بڑے پہلوان تھے، لیکن برائی کی کلائی موڑنے والا کوئی نہیں تھا، ہر شخص پر مایوسی طاری تھی، یہ دنیا کسی کی بات ماننے والی نہیں تھی۔ یہ آسانی سے برائی چھوڑنے کو تیار نہیں تھی، بادشاہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے، فلسفی کسی کو وقعت نہ دیتے شاعر کسی کا نام نہ لیتے، سب سہمے ہوئے تھے، ڈرے ہوئے تھے، ایسے ٹھٹھرے ہوئے تھے گویا برف اور سخت سردی پڑ رہی ہو کہ رحمت الٰہی کو جوش آیا ؎

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحاؑ

وہ نبیٔ رحمت تشریف لائے جن کو قرآن مجید نے کہا:

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"

(قرآنی افادیت ص۴۰۱)

قرآنِ کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی، دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی کے

قرآنی مضامین کا مجموعہ

قرآنی افادات

قابل مطالعہ کتاب عوام و خواص کیلئے یکساں مفید

صفحات ۵۶۸	سائز ۲۰×۲۶/۸	ہدیہ =/۱۴۰ روپے	عمدہ کاغذ	خوبصورت سرورق

ملنے کا پتہ : ● ندوی بک ڈپو، دارالعلوم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس۔ ۹۳، لکھنؤ۔ فون: 328630

امتِ مسلمہ کا عملی کردار

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(۲)

سیاست و حکومت میں انسانی مساوات و انصاف

آزادی اور مساوات اور حقوق انسانی کی جو رعایت اسلام نے اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں کی ہے اس میں حکومت و سیاست، تجارت و عام معاملات بھی اس کے دائرے میں شامل ہیں۔ حاکم وقت کا تقرر و انتخاب مسلمانوں کے معیاری صفات رکھنے والے اعلیٰ کردار کے افراد کی تجویز و تائید سے کرنے کا اصول مقرر کیا گیا ہے جس کے بعد پوری قوم کی تائید حاصل کرنا ہوتی ہے، پھر منتخب ہو جانے کے بعد وہ بالکل خود مختار حاکم نہیں ہوتا بلکہ خدا کے حکم کے مطابق انتظام کرنے والا بننا پڑتا ہے جو اپنی محض پسند اور جی سے کوئی کام نہیں کرتا بلکہ احکام الٰہی کی تابعداری میں اور معیاری مسلمانوں کے مشورہ کے ساتھ کام کرتا ہے، لیکن کام کو انتشار سے بچانے کے لئے آخری فیصلہ اور اس فیصلہ کے مطابق نفاذ کا اسی کو اختیار دیا گیا ہے، اور اس کی حیثیت امیر کی رکھی گئی ہے کہ امیر بنا دینے کے بعد امیر کی بات سب کو ماننی ہوتی ہے، ایسے حاکم کو امیر المومنین یا خلیفہ جیسے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے، اس طرز کے حاکموں کی تعداد اسلامی تاریخ میں اچھی خاصی ہے کہ جو اپنی ذات کی فکر کو پیچھے رکھتے اور جماعت اور قوم کی مصلحت کو آگے رکھتے تھے، اپنا حق کم سے کم لیتے اور دوسرے کو حق دینے میں اپنی جان کھپا دیتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد چاروں خلفائے راشدین پھر بعد میں آنے والے چند در چند مسلمان حاکموں نے اس طرح کی حکمرانی کی مثالیں پیش کی ہیں جس سے یہ نمونہ کھل کر سامنے آتا رہا کہ حاکم کا کام عیش کرنا یا فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ قوم کے فرد فرد کی خدمت کرنا، اور اس کی مصلحت کی حفاظت کرنا ہے، اسلامی سیاست میں عہدہ کے لئے آدمی خود کو پیش نہیں کرتا، بلکہ اس کو عہدہ لینے پر راضی کیا جاتا ہے، وہ اپنے لئے زائد عزت اور عظمت کا حق نہیں لیتا بلکہ اپنے کو اپنی حکومت کے عام فرد کی سطح کے مطابق رکھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں اپنی ذات کا یا اپنے قبیلہ اور خاندان کا فائدہ سامنے نہیں رکھتا بلکہ خدا کے حکم کی تعمیل اور اپنی قوم کی مصلحت کو آگے رکھتا ہے، اس طریقے سیاست میں اسلامی قدروں کو اپنانے کی وجہ سے حکومت کا منصب حاصل کرنے کے لئے رسہ کشی کا راستہ بند ہو جاتا ہے، اسلامی تاریخ کے واقعات و حالات کو بالتفصیل دیکھنے سے ایسی سیاست و حکومت کی بہت سی مثالیں مختلف دور میں ملتی ہیں اس طرح اس امت کے نمائندوں نے دنیا کے سامنے سیاست و حکومت میں بے غرضی، تواضع اور خدمت کی اعلیٰ مثال کھول کر رکھ دی ہے کہ اس معاملہ میں بھی سب برابر ہیں، ترجیح صرف نیک اور صاحب صلاحیت اور قوم و وطن کے مخلص اور خیر خواہانہ جذبہ رکھنے والے کو دی جائے اور اس سلسلہ میں حاصل ہونے والے منصب سے اپنا ذاتی نفع حاصل کرنا مقصد نہ ہو، اور محض اپنے خواہش کو کسی مسئلہ کے سلسلہ میں فیصلہ کن بنایا جائے، بلکہ اپنی مفوضہ ذمہ داری میں رضائے الٰہی کی طلب اور خلق خدا کی راحت ہی کو پیش نظر رکھا جائے، اور یہ اسلام کی محض اصول و تعلیم ہی نہیں رہی ہے، بلکہ اسلامی تاریخ میں اس کی اعلیٰ عملی مثالیں بھی برابر ملتی رہی ہیں کہ مسلمان حاکم وقت، حکومت کا منصب ملنے پر اپنے اس مادی فوائد سے بھی محروم ہو گیا، جو اس کو منصب سے پہلے اپنے کام سے حاصل ہو رہے تھے، اور اس کو صرف بقدر کفایت معاشی سہولت پر اکتفا کرنا پڑی۔

ایسی مثالیں ہوں تو اگرچہ بہت سی خود غرضانہ مثالیں بھی ہیں لیکن انہی کے ساتھ شریعت اسلامی کی پابندی کرنے والوں کی ہر دور میں اعلیٰ مثالیں بھی ملتی ہیں جو اچھے انسانوں کے لئے بطور نمونہ کافی ہیں۔ جن کے حوالے سے امت وسط کی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا کو راہ دکھائے اور پھر اس بات کو دیکھے کہ کس نے راہ حق کو قبول کیا اور کس نے قبول نہیں کیا۔

حاکم کا انتخاب

بہر حال حکومت و سیاست میں اسلام کا یہ اصول جس کا انطباق اعلیٰ مثالوں میں ملتا ہے، دنیا کے سامنے واضح ہوتا رہا کہ حکومت کے عہدہ کا خود طلب گار بننا صحیح نہیں ہے، اور یہ کہ وہ اس معاملہ کے واقف اور معتبر اشخاص کی تجویز پر دیا جائے گا، خواہ وہ حاکم اعلیٰ کی طرف سے نامزدگی کی صورت میں ہو اور خواہ معتبر اور مخلص لوگوں کی

طرف سے انتخاب کی صورت میں ہو، خلافت راشدہ کے دور میں خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر یہ دونوں صورتیں عمل میں آئیں، حضرت ابوبکرؓ کو عہدہ خلافت اس وقت کے اہم و اصحاب الرائے مسلمانوں کے انتخاب سے ملا تھا، اور حضرت عمرؓ کو اپنے پیش رو خلیفہ کی نامزدگی پر ملا تھا، اور دونوں کو عہدہ ملنے کے بعد اپنی دنیاوی منفعتوں کو چھوڑنا پڑا تھا، دونوں کو بلاطلب عہدہ ملا اور دونوں اس ذمہ داری کو اٹھانے کا اپنے کو لائق نہیں بتاتے تھے، اور قوم و ملت کی خاطر تکلف راضی ہوئے تھے، معیار اعلیٰ کے اعتبار سے اور مادی منفعت سے ہٹ کر عہدہ قبول کرنے میں تیسرے اور چوتھے خلیفہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا بھی یہی رویہ تھا، خلفائے بنو امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اس سلسلہ کی شاندار مثال قائم کی اور کبد میں بھی اس سلسلہ کی چھوٹی بڑی مثالیں اسلامی تاریخ میں برابر ملتی رہیں، اور یہ سلسلہ برابر قائم رہا، اور اس طرح اس سیانکی امت نے دوسروں کو اس سلسلہ کی اعلیٰ مثالوں کے نمونے دکھائے اور اپنی ذمہ داری پوری کی۔

علم کی خدمت اور اس میں تفوق و امتیاز

علم و فکر کے میدان میں بھی اس امت نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور اعلیٰ انسانی مثالیں قائم کیں، علم کا وہ حصہ جو وحی الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتا ہے اور جس کو آسمانی ہونے کا تقدس حاصل ہے، اس میں بھی کمال دوست کے بیش بہا نمونے اور کارنامے اس امت نے پیش کئے، آسمانی کتاب قرآن مجید کی تشریح، اس کے الفاظ و معانی کی گہرائیوں کو سمجھنا اور سمجھانا اور اس کے نکتوں کی تحقیق کرکے واضح کرنا، اور کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی خدمت کرنا کہ اس میں کسی دوسرے کی طرف سے تغیر یا حذف و اضافہ کا کوئی اثر نہ پڑ سکے، اور دینی احکام اور مذہبی حقائق صاف اور واضح طریقے سے متعین ہو جائیں اور اس دین کے دین کامل ہونے اور اس کی شریعت کے مکمل اور تاقیامت کارفرما رہنے کی ضمانت ہو جائے، ایسی مثالیں جو پوری انسانیت کی تاریخ میں اور جگہ نہیں ملتی، اس مقصد کے لئے ان کو متعدد نئے علوم مدون کرنے پڑے اور اس میں بھی انھوں نے علمی کمال کا ثبوت دیا، خاص طور پر "اسماء الرجال" اور حدیث کے راویوں کے طبقات اور ان کا تحقیقی کام اور قرآن کی آیت باقاعدہ اعلیٰ درجہ کا ضابطہ حیات کی تدوین و ترتیب بے مثال علمی سرمایہ ہے اور دین کے مکمل کئے جانے کے بعد اس کے مکمل ثابت ہونے اور مکمل طور پر جاری رہنے کی دلیل ہے، اس طریقہ سے مذہب اور قوانین مذہب کے علوم کا ایک نیا خزانہ تیار ہو گیا، کہ جس کے چوٹی کے ماہرین کے لئے بڑی تعداد ملتی ہے پھر یہ کہ اس سلسلہ کی خدمت علمی کا سلسلہ مسلسل قائم ہے، اس میں انسانی زندگی کے طور و طریق جو خواہ مذہبی پہلو کے ہوں اور خواہ معاملاتی پہلوؤں کے، قوانین شریعت کا ایسا مفصل اور جامع دستور مرتب کر دیا گیا جو دنیا کی دیگر قوموں میں نہیں ملتا۔

عقلی اور تجرباتی علوم میں بھی اس ملت کے علماء نے بڑی موشگافیوں اور تحقیقات و تجربات کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں، ان علوم میں فلسفہ و منطق علم کلام، ہیئت و ریاضی منطق اور دیگر علوم پھر ان کے ساتھ عقائد و نظریات اور دیگر علمی مضامین شامل کر دیئے ہیں، مسلمان اہل علم و تحقیق نے فلسفہ و نظریاتی علوم میں پھر اس کے ساتھ سائنس اور تجرباتی علوم میں جو کتابیں اور تحقیقاتی مباحث پیش کئے ان سے آج تک کب فیض کیا جا رہا ہے انھوں نے اس سلسلہ میں کتابوں کا ایسا سرمایہ تیار کیا جو امت کے لئے بیش بہا سرمایہ قرار پایا جن میں علوم و نیسیہ میں اتنی وسعت اور اتنا عمق پیدا کیا کہ دیکھ کر انسانی عقل ششدر رہ جاتی ہے، اس کے علاوہ تجرباتی علوم میں اس امت کے جلیل القدر محققین علماء نے بڑا امتیاز پیدا کیا اور نئی راہیں بنائیں اور خاص طور پر طب کے سلسلہ میں خالص اشیاء اور معالجات کا جو سرمایہ ان کو قدیم حکماء سے ملا، اس میں انھوں نے ایسے عظیم اضافے کئے اور ایسے تحقیقی اور تجرباتی نظریات قائم کئے کہ آنے والی نسلوں کے لئے وہ اصل طبی نظریات بن گئے اور عصر جدید کے تمدن کے اطباء کو بھی ان سے استفادہ سے استغناء نہیں رہا، جن میں خاص طور سے ابن سینا کی طب کی کتاب، طب کی کتابوں میں امام و پیشوا کا درجہ رکھتی ہے۔

الٰہیات و عقائد پر جو فلسفہ اور مذہب دونوں سے تعلق رکھنے والا علم ہے ایسا کام کیا گیا جس کا تاریخ میں نمایاں مقام ہے، خاص طور پر عقائد کی تصحیح اور الٰہیات میں سابق ملحد و مشرک حکماء کی تحقیقات کا جائزہ اور ان کے منحرف پہلوؤں کی نشاندہی کا کام منفرد کام ہے، جو اس ملت کے متعدد و عظیم المرتبت علماء نے انجام دیا، اس میں امام غزالیؒ کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔

پھر ان سب علوم کو نئی نسلوں کو منتقل کرنے کے لئے تعلیم گاہوں اور مدرسوں کا سلسلہ قائم ہوا اور کتابوں میں مدون کرنے کا زبردست کام ہوا جن سے شائقین علم کی نئی نسلیں برابر کام لیتی چلی آرہی ہیں۔

علوم دینیہ کے ساتھ تجرباتی اور طبیعاتی علوم کے ساتھ بھی ہر زمانہ میں اہل علم کے طبقہ نے اشتغال رکھا، اور علم ہیئت، علم جغرافیہ اور خواص اشیاء اور علم الاجسام و دیگر طبیعاتی

علوم میں بڑی تحقیقات و تجربات سے کام لیا جن سے موجودہ دور کے ترقی یافتہ علوم کے ماہرین نے عام طور پر اس کا اعتراف کیا ہے اور مختلف علوم میں مسلمان سائنس دانوں کے تجربات اور غیر معمولی انکشافات کا حوالہ دیا ہے، اور کئی سائنس دانوں اور فلسفیوں کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور ان کے کئے ہوئے کام کو ان علوم کے مراجع میں شامل کیا ہے، ان عظیم ماہرین علوم میں خاص طور پر "ابن الہیثم" اور "البیرونی" ابن سینا، ابن رشد، عمر خیام، جابر بن حیان اور الفزالی بہت نمایاں نام ہیں۔

علوم میں خاص طور سے جغرافیہ میں مسلمان جغرافیہ دانوں نے جو کام انجام دیا ہے، اس کو جغرافیہ کی معلومات میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، سمندری سیاحت اور جہاز رانی میں بھی غیر معمولی کارنامے ملتے ہیں اور یہ اس زمانہ کی بات ہے کہ معلومات کے حصول کے ذرائع بہت محدود تھے، لیکن ان شائقین علم نے اپنے کو خطرہ میں ڈال کر یہ کام انجام دیئے، آج کے ترقی یافتہ دور میں ذرائع کی آسانی کی وجہ سے ویسی محنت و قربانی کی ضرورت نہیں پڑتی، جیسی قدیم زمانہ میں پڑتی تھی اس کے باوجود ان قدیم اہل علم نے ہمت نہیں ہاری اور محیر العقول کام انجام دیئے۔

انھوں نے علوم کی ترویج میں ان کے حصول کے لئے تسہیل کی فکر غیر معمولی طریقے سے انجام دی، کثرت سے تعلیم گاہوں کا قیام، اور تحقیقات کے لئے تجرباتی مراکز اور سہولتوں کا انتظام بڑے اہتمام سے کیا جاتا تھا، اور شوق علم میں اہل طلب پیدل اور سواری پر علم کے حصول کے لئے جہاں اس کے ماہرین کا پتہ چلتا وہاں پہونچنے اور اس کے لئے ہر طرح کا تعب اور مشقت برداشت کرتے، چنانچہ اس کے نتائج حیرتناک نکلتے تھے، جن سے آج تک مدد اور روشنی حاصل کی جارہی ہے۔

مسلمانوں کی علم دوستی اور تحقیقات و تجربات کی کوششوں کا یہ زمانہ تقریباً چھ صدیوں تک پھیلا ہوا ہے، اور یہی زمانہ مغربی ممالک کا جو آج انتہائی علمی و تمدنی ترقی کرنے والے ممالک قرار دیئے گئے ہیں، نہایت تاریکی اور جہالت کا زمانہ رہا ہے، اس وقت مغربی ممالک اور مسلم ممالک میں علم و تمدن کے لحاظ سے بہت زیادہ فرق تھا، بلکہ تضاد تھا، ایک طرف جہالت اور پسماندگی تھی، دوسری طرف علم کا فروغ و کمال تھا۔

(جاری)

بقیہ: سب سے پہلے شہید

ہو جاؤ۔ نہیں تو سارے ہندوستان کی بدبختی کا بار تمہاری گردن پر ہوگا۔

دوستو! میں ہندوستان کی ایسی آزادی کا خواہش مند تھا جس میں غریب خوشی اور آرام سے رہتے اور سب برابر ہوتے۔

وطن کی ریت مجھے ایڑیاں رگڑنے دے
مجھے یقین ہے پانی یہیں سے نکلے گا

خدا میرے بعد وہ دن جلد لائے جب کہ چھتر منزل لکھنؤ میں عبداللہ مستری اور دھنیا چمار اور غریب کسان بھی مسٹر خلیق الزماں، جگت نارائن اور نواب محمود آباد کے برابر کرسی پر بیٹھے نظر آئیں۔

میں بہت خوش ہوں۔ کیا میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی عزت ہو سکتی ہے کہ سب سے پہلا اور اول مسلمان میں ہوں جو آزادی وطن کی خاطر پھانسی پر چڑھ رہا ہے۔ میرے بھائیو! میرا اسلام لو اور اس نامکمل کام کو جو ہم سے باقی رہ گیا ہے تم کو پورا کرنا ہے۔

پھانسی دینے سے قبل جب اشفاق اللہ خاں سے ان کی آخری آرزو پوچھی گئی تھی تو انھوں نے اپنی غزل کے اس شعر سے اپنی آخری آرزو ظاہر کی ؎

کچھ آرزو نہیں ہے، ہے آرزو تو یہ ہے
رکھ دے کوئی ذرا سی خاک وطن کفن میں

(بشکریہ "نئی دنیا" دہلی ۱۹ اگست ۱۹۹۷ء)

بفضلہ
بہترین مٹھائیوں اور بیکری مصنوعات سے
وابستہ نام — سلیمان عثمان
سلیمان عثمان مٹھائی والے
شیریں رواج، شیریں مزاج
Fax: 009122-8341635 Telex: 011-79341 BARI IN

آزادیٔ وطن کے لئے

سب سے پہلے شہید ہونیوالے اشفاق اللہ خاں

کا پیغام اپنی والدہ اور برادران وطن کے نام

● اشفاق اللہ خاں

مجاہد آزادی، شہید وطن محمد اشفاق اللہ خاں حسرت داراثی کی ولادت ۱۹۰۰ء میں شاہ جہانپور (یوپی) کے محلہ ائین زئی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام محمد شفیق اللہ خاں اور والدہ ماجدہ کا نام مظہر النساء تھا۔ اشفاق اللہ اپنے والدین کی آخری سلسلہ وارثی سے بیت تھے، بیسویں صدی کے آغاز میں ملک میں انگریزوں کے خلاف جو انقلابی تحریک ابھری اس میں محمد اشفاق اللہ خان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رام پرساد بسمل، روشن سنگھ، راجیندر لاہری سمیت جن ۲۱ افراد کو کاکوری کیس سے متعلق ٹرین ڈکیتی میں گرفتار کیا گیا تھا ان میں اشفاق اللہ خاں سرفہرست تھے۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو اس مقدمے کے سلسلہ میں اشفاق اللہ خان کو فیض آباد کی جیل میں، رام پرساد بسمل کو گورکھپور جیل میں اور روشن سنگھ کو نینی (الہ آباد) جیل میں پھانسی دی گئی۔ اس معاملے میں چندر شیکھر آزاد بھی مطلوب تھے مگر پولیس انہیں گرفتار نہ کرسکی۔ دو ملزمان نبواری لال اور بھوپندر سانیال نے سلطانی گواہ بن کر اپنی جان بچائی تھی۔ ۱۵ ملزمان کی ۵ سال سے ۱۵ سال تک کی سزائیں ہوئی تھیں۔

پھانسی سے چار دن قبل اشفاق اللہ خاں نے اپنی دکھیاری ماں کے نام جو خط لکھا اس کے لفظ لفظ سے شہید اشفاق اللہ خان کے جذبہ حب الوطنی اور فداکاری کا اظہار ہوتا ہے۔ پورا خط حسب ذیل ہے:-

زنداں فیض آباد
پھانسی کی کوٹھری
۱۵ر دسمبر ۱۹۲۷ء

دکھیا اور بوڑھی ماں کی خدمت میں اس کے مرنے والے بیٹے کا سلام پہونچے۔

میری پیاری ماں! میں بہت اطمینان اور سکون کے ساتھ موت کو لبیک کہہ رہا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ گھبرا نہ جائیں اور یہ نہ کہہ اٹھیں کہ جس کی جوان اولاد مرجائے وہ کیسے صبر کرے؟

ماں! بچپن کے بارے میں آپ ہی نے بتایا تھا کہ جو بھی آپ سے خوبصورت بچہ کی تعریف کرتا تو آپ ایک ہی جواب دیتیں کہ "خدا نے دیا ہے اس کی امانت ہے اور میں تو امانت دار ہوں۔ ایسی امانت رکھنے والے کو یہ اختیار ہے کہ وہ جب چاہے اپنی امانت واپس لے لے۔

میری پیاری ماں! میری خطائیں معاف کرنا، خدا آپ کو صبر عطا کرے، آپ کا بیٹا شہید ہونے والا بیٹا اچھو۔

پھانسی پانے سے تین دن اور چار راتیں قبل اشفاق اللہ خاں نے برادران وطن کے نام جو پیغام لکھ کر چھوڑا تھا وہ بھی ان کے جذبہ حب الوطنی کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ یہ پیغام اس طرح تھا۔

برادران وطن کی خدمت میں ان کے بھائی کا سلام پہونچے۔ آج میں یہ پیغام برادران وطن کو بھیج رہا ہوں، اس کے بعد مجھ کو تین دن اور چار راتیں گزارنی ہیں اور پھر میں ہوں گا اور آغوش مادر وطن۔

برادران وطن! میں اس پاک و مقدس وطن کی قسم کھا کر کہوں گا کہ ہم ننگ و ناموس پر قربان ہوگئے۔ کیا یہ شرم کی بات نہیں کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ نت نئے مظالم ہو رہے ہیں اور غریب ہندوستانی ہر حصہ ملک اور خطہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ نہ کہیں ٹھکانہ ہے نہ کہیں سہارا۔

اے وہ قوم! جس کا کوئی جھنڈا نہیں۔ اے وہ قوم تیرا وطن نہیں۔ اے وہ قوم کہ جو دوسروں کی طرف ہاتھ پھیلائے، رحم کی درخواست پر نظر رکھتی ہے۔ تیری اپنی غلطیوں کا یہی نتیجہ ہے کہ آج تو غلام ہے۔

اے خداوند قدوس! کیا کوئی ایسا سویرا نہیں آئے گا جس صبح کو تیرا آفتاب آزاد ہندوستان میں چمکے اور فضائے ہند آزادی کے نعروں سے گونج اٹھے۔

کانگریس والے ہوں کہ سوراجسٹ، تبلیغ والے ہوں کہ شدھی والے، کمیونسٹ ہوں کہ ریوولیشنری۔ اکالی ہوں کہ بنگالی، میں ہر شخص کو اس کی عزت مذہب کا واسطہ دیتا ہوں اور اپیل کرتا ہوں کہ ہم کاکوری کیس میں مرجانے والے نوجوانوں پر ترس کھاؤ اور پھر ہندوستان کو ۱۹۳۰-۳۱ء والا "اتحاد و اتفاق" کا ملک بنادو۔ بلکہ اس سے اور آگے بڑھ کر مکمل آزادی کا اعلان کرکے ان گورے آقاؤں کو بتادو کہ یہ کالے اب کینچلی اتار چکے ہیں اور اب وہ کسی منتر سے رام نہ ہوں گے۔

تبلیغ اور شدھی والو! خدارا آنکھیں کھولو! آج کون ایسا ہندو مسلمان ہے جو مذہبی آزادی اتنی رکھتا ہے جتنا اسے حق ہے کیا غلام قوم کا کوئی مذہب ہوتا ہے؟

خدارا! آپس میں مل جل کر رہو اور متحد

(باقی صـ۱۱ پر)

فقیہ العصر علامہ مصطفیٰ زرقا صاحب

کا سانحۂ وفات

● علی احمد ندوی (ریاض)

راقم سطور یکم جولائی ۱۹۹۹ء کو ریاض سے روانہ ہوکر ۲ر جولائی کو اپنے مستقر موڈاسہ، گجرات پہونچا اور ۳ر جولائی ۱۹۹۹ء کو صبح سویرے جدہ سے برادرم عبدالوحید حلیمی صاحب کا فون آیا اور گفتگو کا آغاز تعزیتی کلمات "اعظم اللہ اجرکم" سے کیا اور یہ جانکاہ و اندوہناک خبر سنائی کہ ناچیز کے استاذ جلیل محسن و مشفق شیخ مصطفیٰ زرقا صاحب کا ۳ر جولائی ۱۹۹۹ء کو عصر کے وقت ریاض میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

چونکہ موصوف اس دور کے بہت بڑے فقیہ تھے اور چند گنے چنے ذہین ترین علماء میں شمار ہوتا تھا اس لئے یہ ایک عالمی حادثہ و خسارہ ہے۔ ابھی دو ہفتے قبل ہی شیخ کے رفیق درس اور عربی زبان و ادب کے مشہور انشاء پرداز اور داعی الی اللہ استاذ علی طنطاوی صاحب نیز ایک ماہ قبل سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز الخ دونوں بزرگوں کے حادثوں کا غم تازہ ہی تھا کہ اس واقعہ نے دل و دماغ کو مزید جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ بفضلہ تعالیٰ تینوں حضرات اپنی اپنی جگہ پر بڑی خصوصیات اور غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے اور معمر ترین علماء میں سے تھے، شیخ ابن باز ۹۰ میں چل رہے تھے اور باقی دونوں بزرگ نوے سے تجاوز۔ لیکن اس طرح کے لوگوں کی رحلت سے ایسا مہیب خلا پیدا ہوجاتا ہے جس کے پر ہونے کی امید نظر نہیں آتی اس لئے ان کی وفات مرگ جواں سال سے بھی زیادہ کرب انگیز ہوتی ہے بلکہ لاکھوں پر بھاری ہوتی ہے۔

اب سفر کی حالت میں اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے استاذ زرقا صاحب کے بارے میں فی الحال یہ مختصر مضمون تحریر کر رہا ہوں اس لئے کہ میرے لئے یہ ایک گھریلو حادثہ ہے اور پھر نو دس سال ساتھ رہنے کے بعد اس موقع پر دوری اور تجہیز و تکفین میں شرکت سے محرومی کا فطری طور پر احساس ہے۔ ابھی ملاقات کو ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا۔ ہندوستان آمد سے قبل حاضر خدمت ہوا تو سن و سال کی کمزوری سے قطع نظر ماشاء اللہ چاق و چوبند پایا اور موصوف نے اپنی آخری کتاب مجموعہ فتاوی کا ایک نسخہ عنایت فرمایا اور نہایت تعلق و محبت سے رخصت کیا لیکن یہ اس جہان فانی کی آخری ملاقات ثابت ہوئی اور گویا اس پر طویل علمی مذاکرات کو مہر لگ گئی اور استفادہ کی یہ طلائی کڑی ٹوٹ گئی اور اس چراغ کے بجھتے ہی ہمارے مرکز البحوث کی رونق ختم ہوگئی ہے

فصل گل رفت و گلستاں شد خراب

موصوف شام کے ایک مشہور شہر حلب کے ایک نہایت معزز علمی گھرانے میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے اور اس خاندان کے نامور فقیہ علامہ احمد زرقا کے فرزند ارجمند تھے، آپ کے جد امجد شیخ محمد زرقا، اپنے زمانہ میں شام کی ایک برگزیدہ نامی گرامی شخصیت تھے اور فقہ میں اپنے خصوصی شغف اور رسوخ کی بناء پر کچھ لوگ "ابوحنیفۃ الصغیر" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ شیخ مصطفیٰ نے اپنے دادا کا زمانہ بھی پایا لیکن زیادہ شعور کی عمر نہیں تھی اس لئے ان کے علم سے فیضیاب نہیں ہوسکے البتہ اپنے والد ماجد کے علمی حلقوں اور اسباق میں اپنے ابتدائی تعلیمی دور ہی سے شریک رہے۔ شیخ نے حلب کے مدارس میں ثانویہ تک تعلیم حاصل کی اور پھر مزید تکمیل کے لئے دمشق کا رخ کیا، آپ اپنے بنیادی اساتذہ میں علامہ محمد حنیفی کا ذکر بڑے والہانہ انداز سے کرتے، نیز علامہ محمد راغب الطباخ مؤرخ حلب کا بھی تذکرہ بڑے احترام سے کرتے۔ ویسے شیخ کے اصل مربی اور استاذ والد صاحب ہی تھے۔ آپ کے والد کا "رد المحتار" یعنی حاشیہ ابن عابدین اور علامہ زیلعی کی "تبیین الحقائق" کا درس ہوتا تھا اس میں نہایت التزام و پابندی کے ساتھ حاضر ہوتے اور پھر عشاء کی نماز کے بعد گھر میں علاحدہ دونوں کے درمیان علمی بحث و نظر کا سلسلہ شروع ہوتا فقہ کے ساتھ ادب و شاعری کا ستھرا ذوق بھی علمی وراثت میں ملا تھا، ابوالعلاء المعری کی "اللزومیات" کے تقریباً حافظ تھے اور مختلف موقعوں پر اس کے شواہد پیش کرتے اور بہت محظوظ ہوتے، نحو سے بھی بہت دلچسپی تھی اور اسی شوق میں بیس سال کی عمر میں امام "الفرا" مشہور نحوی کی مختصر کتاب "المذکر والمؤنث" کو حواشی کے ساتھ شائع کیا تھا۔ زمانہ طالب علمی میں اگر کسی بڑی شخصیت کی مدرسہ میں آمد ہوتی تو مناسب موزوں قصیدہ تیار کرلیتے۔ چنانچہ محدث شام امام بدرالدین حسنی کی تشریف آوری پر جو اشعار کہے تھے وہ بطور نمونہ آپ کے مطبوع دیوان "قوس قزح" میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ "قوس قزح" نام بھی شاعری کی مختلف صنفوں پر عبور کی غمازی کرتا ہے۔ اس دور

کے مشہور شاعر استاذ بہاالامیر مرحوم صاحب بھی شیخ کی شاعری کے معترف و مداح تھے۔

شیخ مصطفیٰ نے شرعی علوم سے فارغ ہوکر اپنے والد ماجد کے مشورہ کے بعد فرانس جاکر فرنچ زبان سیکھی اور قانون میں ڈگری حاصل کی اور بلاشبہ قوانین پر گہری نظر نے تقابلی مطالعہ کرنے کی صلاحیت اجاگر کی اور اس سے اسلامی فقہ و قانون کی عظمت و بلندی پر اعتماد مزید مستحکم ہوا۔

شیخ نے وطن لوٹ کر دین کی خدمت تعلیم و خطابت کے ذریعہ شروع کی، والد صاحب کی وفات کے بعد ان کے سلسلۂ درس کو باقی رکھا اور جانشینی کا حق ادا کیا، اس کے علاوہ چند ذہین اور ہونہار نوجوانوں کے لئے خصوصی درس بھی جاری کیا اور اس جماعت میں حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ اور ڈاکٹر محمد فوزی فیض اللہ۔ حال مقیم کویت۔ دونوں نے آپ سے فقہ حنفی میں ملا خسرو کی "درر الحکام" اور اصول و مقاصد میں امام شاطبی مالکی کی "الموافقات" کو سبقاً پڑھا۔

پھر جب دمشق میں کلیۃ الشریعہ قائم ہوا تو شیخ اس کے اہم اساتذہ میں سے تھے اور اس طرح طویل عرصہ کے لئے حلب سے دمشق منتقل ہوگئے اور فقہ اسلامی کو جدید اسلوب میں پڑھانے کی غرض سے عام روش سے ہٹ کر جدید طرز اختیار کیا اور اس کے لئے "المدخل الفقہی العام" کے عنوان سے تصنیف کا آغاز کیا اور اس کام کے لئے ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد اسی میں منہمک ہوجاتے اور کبھی کبھی فجر کی اذان ہوجاتی اور تالیف کے دوران خاص طور پر توجہ اس بات پر مرکوز رہتی کہ مشکل سے مشکل موضوع کو نہایت سلیس و شگفتہ زبان میں پیش کیا جائے اور خدا کے فضل سے اس کوشش میں کامیاب رہے اور ایک بے مثال کتاب تیار ہوگئی۔ علامہ عبدالقادر عودہ شہید اپنے ایک مضمون میں اس کتاب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اس کو اپنے دور کی لاجواب و منفرد کتاب کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے۔ "المدخل" دو حصوں میں ہے اور پھر تیسرا حصہ جو "الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید" کے سلسلہ سے مربوط ہے "نظریۃ الالتزامات" کے عنوان سے ہے اور اسی حصہ پر شیخ کو فیصل ایوارڈ دیا گیا ہے۔ اور چوتھی کتاب "عقد البیع" کے نام سے ہے جو نصف صدی کے بعد اب دوبارہ دار القلم دمشق سے شائع ہورہی ہے اور اس پر شیخ کے حکم کی تعمیل میں ناچیز راقم سطور نے کچھ مختصر حواشی بھی لکھے ہیں جن میں حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہی مذاہب کی طرف اشارے کئے گئے ہیں مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ بھی مختلف فقہی موضوعات پر بیش بہا مفید کتابوں و مقالات کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔

تدریس و تصنیف کے ساتھ ساتھ ابتدائی دور سے ہی شیخ کو اجتماعی کاموں سے بھی گہری مناسبت تھی۔ آپ نے اپنے رفیق درس ڈاکٹر مصروف دوالیبی کے ساتھ مل جل کر اوقاف وغیرہ کے نظم و نسق کو سدھارنے اور اصلاح معاشرہ کے لئے بہت کاوشیں کیں اور سیاسی میدان کی ہنگامہ آرائیوں میں حصہ لیا اور جب آگے چل کر ڈاکٹر دوالیبی وزیر اعظم منتخب ہوئے تو اس وقت استاذ زرقاء صاحب بھی وزیر اوقاف رہے، لیکن ان سیاسی سرگرمیوں سے علمی زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ تدریس کے فرائض کو بخوبی انجام دیتے رہے۔

کلیۃ الشریعہ دمشق میں اپنے رفقاء کار جن میں ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ، ڈاکٹر محمد المبارکؒ سرفہرست ہیں کے ساتھ عرصۂ دراز تک محاضرات دیتے رہے، لیکن پھر جب شام کے سیاسی حالات ابتر ہونے لگے اور کام کی فضا زیادہ سازگار و خوشگوار نہیں رہی تو اردن ہجرت کرگئے اور عمان یونیورسٹی میں پروفیسر ہوگئے۔ اس دوران جب کویت کی وزارت اوقاف نے "الموسوعۃ الفقہیۃ" (فقہی انسائیکلو پیڈیا) کے مفصل پروگرام کے لئے منصوبہ تیار کیا تو اس کے لئے شیخ کو طلب کیا، اور ابتدائی مراحل میں اس کی ترتیب و تنظیم کا سہرا آپ ہی کے سر ہے اور پھر اس کے لئے کمیٹی کی تشکیل دی اور کام کو صحیح نقوش و خطوط پر ڈالنے کے بعد چند سال قیام کرکے عمان واپس لوٹ گئے۔

شیخ تقریباً (۸۲) سال کی عمر تک تدریس میں مشغول رہے اور پھر آج سے دس سال قبل ریاض میں شرکۃ الراجحی سے منسلک "مرکز البحوث" میں شرعی مستشار کی حیثیت سے تشریف لے آئے اور اسی زمانہ میں راقم سطور کو بھی اسی مرکز میں کام کرنے کا موقع ملا۔ شیخ سے قدیم نیازمندانہ روابط تو تھے ہی اور "القواعد الفقہیہ" پر اپنے نفیس و فاضلانہ مقدمہ سے اس کی قیمت دوچند میں اضافہ کیا تھا لیکن مستقل ساتھ رہنے کا یہ پہلا اتفاق ہوا اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا جو سانحۂ ارتحال تک مستمر رہا جس کا اجمالی تذکرہ اس مضمون میں گذر چکا۔

یہ محض خدا کا فضل ہے کہ اس دس سالہ مدت میں استاذ زرقاء صاحب سے بہت کچھ سیکھنے کے مواقع فراہم ہوئے۔ شیخ اپنی بزرگانہ شفقتوں اور الطاف و عنایات سے نوازتے رہے اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

شیخ مصطفیٰ صاحب ایک ایسے بلند قامت فقیہ تھے کہ ہر اہم اجتہادی جدید مسئلے میں آپ کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں اور اس میدان میں چوٹی کے علماء آپ سے رجوع کرتے اور رہنمائی حاصل کرتے تھے لیکن علمی شان و شوکت کے باوجود مزاج میں تواضع و مسکنت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنے کسی چھوٹے سے بھی استصواب رائے اور مشورہ میں کوئی جھجک و تردد محسوس نہیں کرتے۔ جدید

مسائل میں آپ کے معتدل مسلک اور متوازن نقطۂ نظر کی مثالیں آپ کے جدید شائع شدہ مجموعۂ فتاویٰ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ شیخ کو اگر کسی اجتہادی مسئلے میں غور و فکر اور اصول و مقاصد کی روشنی میں اطمینان و شرح صدر ہوجاتا تو پھر اس پر صلابت رائے کے ساتھ ڈٹے رہتے اور اختلاف کی زیادہ پرواہ نہ کرتے جیسا کہ انشورنس، بیع کے سلسلے میں آپ کا موقف واضح ہے، بہرحال آپ کے چند اجتہادات و تفردات ایسے ہیں جن سے اختلاف کی گنجائش ہے لیکن اس سے آپ کے فقہ میں علو مرتبت کو کوئی ٹھیس نہیں پہونچتی۔

استاذ زرقاء صاحب علم و فضل کے ساتھ ساتھ بڑے شریف النفس اور با اخلاق شخص تھے اور غریبوں و بیکسوں کا بڑا خیال کرتے اور ان کی امداد میں کوئی دریغ نہ کرتے۔

آپ کے اوصاف حمیدہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فضول گوئی اور فضول خرچی ان دونوں باتوں سے بہت گریز کرتے۔ اگر کوئی غیر علمی موضوع چھڑ جاتا تو اس کو "لایعنیٰ" یعنی ہمارے مطلب نہیں کہہ کر بات کو ٹال دیتے۔ اور جہاں تک اسراف کا تعلق ہے تو وہ کسی دوسرے کے گھر میں اور بڑی سے بڑی دعوت میں بھی گوارا نہیں کرتے۔ ایک مرتبہ رمضان شریف کے زمانہ میں ایک کانفرنس میں باہمی شرکت کا موقع ملا جب افطار کا وقت آیا اور وافر مقدار میں ہوٹل کی طرف سے کھانا پیش کیا گیا تو تھوڑی سی مقدار سحری کے لئے محفوظ کرلی اور اسی پر اکتفا کیا حالانکہ از سر نو دوسرے وقت کے لئے ضیافت کا پورا انتظام موجود تھا، اور شیخ جب میزبان ہوتے تو بڑی فراخ دلی سے پرتکلف کھانوں کا اہتمام پورے لوازمات کے ساتھ کرتے، مثال کے طور پر "شامی کبے" ہوتے تو ہر مہمان کے سامنے دہی کی لسی کے لبریز گلاس نظر آتے اور مسور کی دال کے ساتھ زیتون میں لہسن کی کلیوں کا بگھار تیار کرتے اور اس کے طبی فوائد ذکر کرتے۔

استاذ زرقاء صاحب کی ایک خاص صفت صبر و عزیمت ہے۔ حوادث روزگار کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے۔ آپکے صاحبزادگان میں ڈاکٹر نوفل اور ڈاکٹر مازن کا انتقال تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہوگیا، خود بھی متعدد آپریشنوں کے سخت مراحل سے گذرے لیکن طبیعت مکدر نہیں ہوئی اور ان واقعات سے معمولات زندگی اور نظام الاوقات پر خاص اثر نہیں پڑا۔

خدائے تعالیٰ شیخ کی خدمات کو قبول فرمائے اور مغفرت و رحمت سے نوازے اور جمیع پسماندگان ڈاکٹر انس، ڈاکٹر عامر اور صاحبزادی رفیدہ فاطمہ کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔

دعائے مغفرت

دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق استاذ مولانا وجیہ الدین صاحبؒ کی اہلیہ کے حقیقی ماموں جناب حاجی آفاق صدیقی صاحب کا ۱۷ جون ۱۹۹۹ء کو امریکہ میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم انڈین ایئر لائنس میں ملازم تھے لکھنؤ ایئر پورٹ پر کافی دنوں تک کام کیا وہ دار العلوم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے نیازمندانہ ادب و بیعت کا تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کے کوئی بچہ بھی حضرت مولانا سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نعت پاک

ذوالنورین رہبر لکھنوی

نسبتِ آقا ہے لازم آدمی کے واسطے ❊ نسخۂ رحمت یہی ہے زندگی کے واسطے
زندگی تھی وقف جن کی دشمنی کے واسطے ❊ آگئے سوئے نبیؐ وہ دوستی کے واسطے
اللہ اللہ کیا نرالی شان ہے سرکار کی ❊ آپؐ ہیں کونین کی پیغمبری کے واسطے
اپنی امت کے لئے راتوں میں تھے جو اشکبار ❊ جان و دل قربان ہیں ایسے نبیؐ کے واسطے
ظلمتیں تھیں کفر کی ہر سمت سے گھیرے ہوئے ❊ نورِ حق چمکا جہاں میں روشنی کے واسطے
مرجا صلِ علیٰ اخلاق اعلیٰ آپؐ کا ❊ ہے کشادہ دامنِ آقا سبھی کے واسطے
تا قیامت نور چمکے گا انھیں کی ذات سے ❊ آپؐ ہیں شمع نبوت ہر صدی کے واسطے
کی ہے تصدیقِ رسالت حضرتِ صدیقؓ نے ❊ ہیں نمایاں آپؐ ہی تو پیروی کے واسطے
روم و ایراں ہوگئے زیر نگیں بھی آپؐ کے ❊ فتح و نصرت تھی لکھی فاروقؓ ہی کے واسطے
تھی خلافت ہاتھ میں لیکن ہوئے پھر بھی شہید ❊ ہائے کیسی تھی یہ مجبوری غنیؓ کے واسطے
معرکہ خیبر کا ہوگا سر انھیں کے ہاتھ سے ❊ تھا یہ فرمانِ نبیؐ مولا علیؓ کے واسطے

راہِ حق سے جو تھے بھٹکے ان کو منزل مل گئی!
آپ رہبر ہیں جہاں میں رہبری کے واسطے

حیدرآباد میں نو دن

تأثرات ویادداشت

مولانا عبداللہ عباس ندوی

جنوبی ہند کی اسلامی درسگاہوں میں "دارالعلوم سبیل السلام" عمر کے لحاظ سے نوزائیدہ ہے، ۱۳۹۲ھ میں اس کی بنیاد پڑی تھی، مگر اپنی کارگزاری، خدمات اور تدریس وتحقیق کے میدان میں برگزیدہ بن گئی ہے، اس کے جواں سال وجواں ہمت بانی وناظم مولانا محمد رضوان القاسمی نے شہر حیدرآباد میں قلب شہر (جسے امریکن ڈاؤن ٹاؤن کہتے ہیں) سے ۲۵، ۳۰ کیلومیٹر دور ایک سنسان وبھاڑ میدان میں دین ودانش کی ایک بستی بنانے کا عزم کیا، حسن نیت اور حسن عمل کا یہ ثمرہ ہے کہ یہ چند عمارتوں اور مسجد پر مشتمل بستی قال اللہ وقال الرسولؐ کے نغموں سے گونج رہی ہے، ابھی اس کو اور بڑھنا ہے، پھیلنا ہے، اور بلند ہونا ہے۔

مولانا محمد رضوان القاسمی کے دست راست مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہیں، جنھوں نے فقہی اصطلاحات کی ایک گڈمری تیار کی ہے، اور نئے فقہی مسائل پر متعدد کتابیں اور رسائل لکھ چکے ہیں، بہت دنوں کی کان پڑی بات ہے ڈاکٹر احمد محمد علی جب جدہ کی کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے ایک گفتگو کے دوران کہنے لگے "میں یہ تو تصور کرسکتا ہوں کہ کسی یونیورسٹی میں صرف دس طالب علم ہوں، مگر یہ تصور نہیں کرسکتا کہ بغیر بحث وتحقیق کے کوئی ادارہ یونیورسٹی کہے جانے کا مستحق ہے"۔ یہ بات انھوں نے اپنی طرف سے نہیں کسی ماہر تعلیم کے حوالے سے کہی تھی، جس کا نام یاد نہیں، بہرحال جس نے بھی کہا ہو، ہے معیاری اور سچی بات!!! اس لحاظ سے دارالعلوم سبیل السلام کو روز اول سے یونیورسٹی کا درجہ دے سکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے در ودیوار کی تعمیر اور موسوعاتی تحقیق ایک ساتھ چل رہی ہے۔

بلا ارادہ "یادداشت اور تأثرات" کا عنوان لکھ کر دوسری پٹری پر چلا گیا، میرے لئے یہ ایک مبارک دن تھا کہ بنگلور میں ابھی گزشتہ فروری کی آخری تاریخوں میں "رابطہ ادب اسلامی" کے اجلاس میں شرکت کے لئے گیا ہوا تھا، وہاں ایک ندوی عزیز نے مولانا محمد رضوان القاسمی کا مکتوب دیا کہ وہ سیرت نبوی (سلام اللہ علی صاحبہا) پر ساتھ آٹھ محاضرات (خطبات) کی خدمت کے لئے مدعو کرنا چاہتے ہیں، یہ غالباً میری زندگی کا پہلا موقع تھا کہ بغیر اس راہ کی دشواریوں پر غور کئے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اب میرا وطن مکہ مکرمہ ہے جہاں میرے تمام افراد خاندان رہتے ہیں، اور معلوم نہیں کب مجھے وہاں جانا پڑے اور کئی ماہ پیشگی وعدہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں نیز سیرت طیبہ پر پرانے مطالعہ کو تازہ کرنے اور ان کو محاضرات کی شکل دینے کے لئے وقت نکال سکوں گا یا نہیں، ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے میں نے ہاں کر دی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور سیرت پاک کی کشش نے افسردہ طبیعت میں امنگ پیدا کر دی ؎

ہر چند پیر وخستہ دل وناتواں شدم
ہر گہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

ان خطبات کے اجراء کا نظم اور اس کا اعلان واعلام میرے تصور سے زیادہ کیا گیا، ڈاکٹر محسن عثمانی (ریڈر دہلی یونیورسٹی) نے دوستانہ خلوص کے ساتھ ایک مضمون اس ناچیز پر لکھا جو میری حاضری سے پہلے متعدد روزناموں میں شائع ہو چکا تھا، اور ڈاکٹر عثمانی نے ان محاضرات میں شرکت بھی میری خاطر قبول کی، افتتاحی جلسہ بڑے پیمانہ پر منعقد ہوا، جیسے کانفرنسیں ہوا کرتی ہیں، اس میں مولانا رضوان القاسمی نے بہت جامع وادیبانہ خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب نے صدارت کی، ان کے مشتاق دید وشنید بھی کافی لوگ تھے، استقبالیہ یا افتتاحیہ جلسہ کے بعد روزانہ خطبات کے جلسے "اندرا پریہ درشنی ہال" باغ عامہ حیدرآباد میں منعقد ہوتے رہے، اور آخری الوداعی جلسہ دارالعلوم سبیل السلام میں منعقد ہوا، درمیان میں ایک دن ڈاکٹر محسن عثمانی کی روانگی سے پہلے ایک پرتکلف استقبالیہ دیا گیا، ان حضرات نے یعنی مولانا محمد رضوان القاسمی اور ان کے معاونین اساتذۂ دارالعلوم اور طلبہ نے اس عاجز کی وہ پذیرائی کی کہ میں دل ہی دل میں شرمندہ رہا، "کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید"۔

اختتامی جلسہ دارالعلوم سبیل السلام کے ایک ہال میں منعقد ہوا، خیال تھا کہ اس جلسہ میں بہت لوگ باہر سے آسکیں گے کیونکہ شہر سے مسافت بہت دور کی ہے، لیکن یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ مجمع کافی تھا اور ہال کے باہر اتنے ہی آدمی تھے جس قدر ہال کے اندر تھے، پس پردہ خواتین بھی تھیں اس جلسہ میں اچھی اور کارآمد تقریریں ہوئیں، حالات حاضرہ پر بھی روشنی ڈالی گئی، اس جلسہ میں شرکت کے لئے بنگلور سے سجادہ نشین شاہ سید مصطفیٰ الرفاعی بھی تشریف لائے تھے اور "رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کے عنوان پر دلپذیر تقریر کی، شاہ سید مصطفیٰ الرفاعی صاحب طریقت، ہمیشہ سیاہ لباس میں رہتے ہیں، میں نے اپنی تقریر میں ان کا حوالہ دیا کہ غلاف کعبہ بردوش جس کا مخفف "کعبہ بردوش" منشاء صاحب نے سیرت پاک پر اچھی تقریر کی، اس جلسہ میں مولانا عبدالرحیم قریشی جو مسلم پرسنل لا اور ملی کونسل کے لیڈروں میں ہیں نے بہت موثر خطاب کیا۔ مولانا سلیمان سکندر جب مالک کے سامنے آئے تو انیس کا وہ مصرعہ یاد آگیا جو پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم نے مولانا محمد علی جوہر کے بارے میں لکھا تھا ؎

ضیغم ڈکارتا ہوا نکلا کچھار سے

مولانا محمد رضوان القاسمی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تو اس اجتماع کے داعی اور تمام جلسوں کے روح رواں تھے عالمانہ خطاب کئے۔

آخر میں راقم نے مخالف اسلام اور خاص طور پر مشنریوں کی جد وجہد کا ذکر کرکے دکھایا کہ مسلمانوں نے صرف ایک اصول مسادات پر عمل کرکے مشنریوں کو پنپنے نہیں دیا اگر وہ تمام اصول پر عمل کرتے تو آج دنیا میں کسی کا چراغ نہیں جل سکتا تھا اور سارا عالم رحمۃ للعالمین کے دامان فطرت میں پناہ لے سکتا تھا۔

دوران قیام ایک محاضرہ "عربی شاعری کے جدید رجحانات" پر جامعہ عثمانیہ کے شعبہ عربی میں ہوا، مجھے اس شعبہ کے صدر مولانا ڈاکٹر عبدالمجید صاحب نے دعوت دی، محاضرہ میں اساتذہ (خواتین وحضرات) شریک تھے، یہ محاضرہ پہلے سے تحریری شکل میں نہیں لایا گیا جو کچھ کہا وہ یادداشت سے ارتجالاً کہا، عزیز ندوی فاضل راشد نسیم کے واسطے سے یہ تقریب عمل میں آئی، ان کے والد مرحوم اور میرے عزیز دوست ڈاکٹر ابراہیمؒ کی یاد بہت آئی، گذشتہ مرتبہ حیدرآباد حاضری موصوف کی دعوت پر اسی شعبہ میں ہوئی تھی، مولوی راشد نسیم، ان کے والد محمد سب ہی ندوی تھے۔

محب گرامی جناب مولانا برہان الدین صاحب استاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کے صاحبزادہ مولانا نعمان الدین ندوی دارالعلوم حیدرآباد (جس کے سربراہ حیدرآباد کی بڑی دینی شخصیت کے حامل مولانا عاقل حسامی ہیں جو "رہبرات" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں) میں استاذ اور وہاں کے عربی ماہنامہ "الصحوۃ الاسلامیہ" کے ایڈیٹر ہیں عزیز محبت سے ملے، میری آمد پر حیدرآباد کے ہوائی مستقر پر استقبال کرنے والوں میں سب سے آگے تھے، ایک پرتکلف دعوت کی، جس میں مولانا حسامی اور دوسرے اساتذہ شریک تھے، دارالعلوم کو بھی تفصیل سے دیکھا، عمارت پرشکوہ، اور کتب خانہ اپنی نفاست اور حسن انتظام میں قابل دید ہے، چونکہ تعطیلات کے بعد مدرسہ اسی روز کھلا تھا اس لئے تعلیمی درجات کو نہیں دیکھ سکا، لیکن جیسا کہ عرب کہتے ہیں "الظرف ینبئ عن المظروف" (یعنی خط کا مضمون لفافہ دیکھ کر تاڑ لیا جاتا ہے) اس لئے یقین ہے کہ وہ بھی معیاری ہوگی، "الصحوۃ الاسلامیۃ" ان عربی مجلات میں ہے، جو ہندوستان سے نکلتے ہیں زبان وبیان کی صحت، وسعت اطلاع اور احاطہ کے لحاظ سے ممتاز رسائل میں ہے۔

یہاں ایک دارالعلوم یا جامعہ "انوار الہدیٰ" کے نام سے قائم ہے، اس دارالعلوم کا کتب خانہ نئی عمارت میں منتقل کیا گیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام پر "ابوہریرہ لائبریری" رکھا گیا ہے۔ افتتاح کی سعادت اس عاجز کو بخشی گئی، نوجوان اساتذہ سے مل کر خوشی ہوئی، اس جامعہ کے سرپرست حضرت مولانا میر قطب الدین علی چشتی دامت برکاتہم ہیں وہ اس موقع پر تشریف فرما نہیں تھے، ان کے صاحبزادہ نے ان کی نیابت کی اور علماء ادارہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

حیدرآباد میں عام زندگی کے مشاہدہ کا موقع نہیں ملا، قیام گاہ سے جلسہ گاہ اور دارالعلوم سبیل السلام تک کے راستے یاد ہیں لیکن خطبات میں شرکت کرنے والے حضرات سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہا، خاص بات یہ دیکھی کہ یہاں کے خاص وعام، پڑھے لکھے اور مثقف لوگوں میں سیرت نبوی کے بیانات سننے کا بہت ذوق ہے، ورنہ مجھ جیسے گمنام کے مقالات سننے کے لئے اتنے بڑے مجمع کا روزانہ شریک ہونا مشکل تھا، نت نئے کام کرنے اور دینی امور میں دلچسپی رکھنے کا عام رواج ہے، میری قیام گاہ پر ایک روز جناب یعقوب میراں مجتہدی صاحب تشریف لائے جنھوں نے اردو سے انگریزی کی بہت خوب ڈکشنری لکھی ہے۔ اس کام کا نقشہ دیکھا تو حیران رہ گیا کہ کیونکر فرد واحد نے چار لاکھ کارڈ تیار کرڈالے اور تلفظ کو رومن حروف میں لکھا پھر اس کا ترجمہ دیا۔ اور بہت سے محاورات بھی اسی طرح پہلے رومن حروف میں لکھا، اس کے بعد اس کے مقابل انگریزی تعبیر لکھی، یہ بہت پتہ ماری کا کام ہے جو انھوں نے انجام دیا ہے۔ اور لغت کے کام سے شغف اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اپنے مکان کا نام "لغت گھر" رکھا ہے۔

خطباتی جلسوں کی صدارتیں روزانہ اہم شخصیتوں نے کی، پہلے روز تو داعی الی اللہ مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب ہی تھے جو قائد قوم بھی ہیں، واعظ وخطیب بھی اور مفسر قرآن ہونے کا امتیاز اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ایک روز صدارت مولانا عاقل حسامی رہبر ملت نے کی محترم جناب عبدالرحیم قریشی جو ایک باخبر صاحب علم اور معتبر بزرگوں میں ہیں ایک روز

صدارت کی کرسی پر جلوہ افروز رہے اور بہت موثر تقریر کی، آخری اجتماع کی تقریر بھی واقعی دل پذیر اور حقائق و معلومات سے پُر تھی، ترابشی صاحب کے علاوہ جو لوگ پابندی سے تشریف لاتے رہے ان میں ہمارے دوست وحید الدین سلیم صاحب ہر خطبہ میں شریک رہے۔ اسی طرح دار العلوم کے شیخ الحدیث مولانا برکت اللہ صاحب کی برکتوں سے بھی جلسے متبرک ہوئے، ایک ندوی قاسمی عزیز مولانا عبد المجیب ندوی خوش اسلوبی سے جلسوں کی نظامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ روزانہ قاری بھی بدلے ہوتے تھے، سات دنوں میں سات قراء کی قرأتیں سنیں، ہر قرأت معیاری تھی، غالباً یہ تمام حضرات تجوید و قرأت کے عالمی مقابلوں میں شریک ہو چکے ہوں گے اور ہو سکتا ہے انعام یافتہ بھی ہوں، ایسے قرأ چھپ نہیں سکتے، ذاتی تعارف کسی سے نہیں ہوا۔ مگر ان کی تجوید و قرأت سے گوشِ دل و جاں بہرہ مند ہوئے۔

رہے خطبات کے موضوعات تو محترم الحاج بہاء الدین صاحب نے بیان کر دیئے ہیں اس لئے ان کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں البتہ یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ الحاج بہاء الدین صاحب کو مولانا دریا آبادی علیہ الرحمۃ "بیش بہا" کہا کرتے تھے، مولانا دریا آبادی کے دیئے ہوئے لقب پر اضافہ بے ادبی ہے ورنہ عرض کرتا کہ ان کو "اخلاص و محبت کا دریے بہا" کہنا چاہیئے ایک لطیفہ قابل ذکر ہے کہ میرے ذہن میں مولانا رضوان القاسمی کی جگہ پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا سراپا تھا معلوم نہیں اس التباس کی وجہ کیا تھی، ہو سکتا ہے قامت کی بلندی کی بناء پر مولانا رضوان صاحب کو مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سمجھ لیا ہو بہر حال جب یہ دونوں حضرات میری حیدرآباد آمد کے موقع پر یکجا ہوئے۔ اور وہ سمجھ گئے کہ مجھے التباس ہو رہا ہے۔ تو مجھے بتایا گیا کہ آفتاب کون ہے اور ماہتاب کون

اس یادداشت و تاثرات کو ختم کرنے سے پہلے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں جو راقم کے نزدیک اہم ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے مدارس دینیہ۔ (خواہ ان کے نام جامعہ سے شروع ہوں یا دار العلوم سے) اپنے درس و تدریس کے ماحول میں گم رہتے ہیں ذمہ دار حضرات تعمیرات اور حصول امداد کے سلسلہ میں کبھی کبھار اہل شہر سے مل لیتے ہیں۔ اہل شہر کو بھی ان دینی مدارس سے کوئی تعلق نہیں رہتا وہ بھی زکوٰۃ و فطرہ کی رقمیں دیکر حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے دستبردار ہو جاتے ہیں حالانکہ مدرسہ کو معاشرہ کے مسائل سے پوری طرح واقف رہتے ہوئے اس کی اصلاح کی کوشش بھی کرنا چاہیئے۔ دار العلوم سبیل السلام کی یہ جدوجہد پسند آئی کہ اس کے ذمہ داروں نے محسوس کیا کہ:

"آجکل خاندان تیزی سے بکھر رہے ہیں عائلی زندگی میں انتشار نے راہ پالی ہے عورتوں پر مختلف قسم کے مظالم نے انسانیت کے سر کو شرم سے نیچا کر دیا ہے۔ شادی بیاہ کے غیر شرعی رسوم و رواج اور طلاق کی کثرت نے سماج کو تباہی کے دہانے تک پہونچا دیا ہے طلبہ و نوجوانوں سے لے کر عام انسان تک کی زندگیوں میں مختلف قسم کی برائیاں اور بے راہ رویاں پورے معاشرہ کے لئے ناسور ثابت ہو رہی ہیں"

خطبات حیدرآباد کے عنوان سے جو محاضرات کا سلسلہ مولانا رضوان القاسمی ناظم دار العلوم سبیل السلام نے اسی جذبۂ اصلاح سے جاری کیا جیا کہ مذکورہ بالا عبارت (جو دار العلوم سبیل السلام کے اعلام سے نقل کی گئی ہے) ظاہر کرتا ہے۔

طریقہ اصلاح مقامی طور پر کیا جا سکتا ہے کوئی ضروری نہیں کہ خطبات و محاضرات ہی ہوں۔ مگر ہمارے مدارس اگر اس رُخ پر کام کریں تو اپنا فرض منصبی ادا کریں گے۔

میں مولانائے موصوف کا اس زاویۂ فکر سے زیادہ شکر گذار ہوں، رہا اس عاجز کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا گیا ہے وہ قرب قیامت کے آثار میں سے ایک نشانی ہے۔ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ۔ اگر کسی نااہل کے سپرد اہم کام کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

اعلیٰ، معیاری، عمدہ اور لذیذ مٹھائی کی مشہور دکان
حراء سوئیٹس (بمبئی)
خاص طور پر صبح ناشتہ میں لذیذ حلوہ و پراٹھا اور شام کو نمکین و میٹھے سموسے کے لئے تشریف لائیں
اس کے علاوہ مختلف قسم کی دیسی مٹھائیاں
ہر وقت کفایتی داموں پر دستیاب ہیں۔
پتہ:
اندریا اسٹریٹ چوکی محلہ نزد دستان تالاب
ناگپاڑہ بمبئی ۸

دہلی میں تعمیر حیات
حاصل کریں
سنٹرل نیوز ایجنسی ۲۳/۹۰ کناٹ سرکس نیو دہلی

ایک مطالعہ

نعتِ رسول اور دلِ ریزہ ریزہ

● پروفیسر وصی احمد صدیقی

جناب طفیل احمد صاحب مدنی کی کتاب "دلِ ریزہ ریزہ" جب میرے پاس آئی تو میں اسے صرف نعت کی کتاب سمجھا۔ ان کی نعتیں تعمیر حیات میں اکثر پڑھنے میں آتی ہیں۔ اور ان کی والہانہ کیفیات سے بہت متاثر ہوا ہوں لیکن یہ کتاب تو مجھے دھنک کے رنگوں کی طرح لگی۔ خلفائے راشدین کا بھی ذکر ہے امہات المؤمنین کا بھی۔ اہل بیت کرام کا بھی۔ کلام پاک کا بھی۔ حرم پاک کا بھی غرض آنکھوں کو تراوٹ بخشنے والا ہر رنگ اس میں موجود ہے۔ سائنس اور ریاضی کے طالب علم ہونے کے ناطے اس بات سے واقف ہوں کہ یہ سارے رنگ صرف ایک سفید رنگ کے مرہونِ منت ہیں بادلوں کی مختلف تہیں جنھیں بکھیر دیتی ہیں۔ رنگ کے بجائے مجھے لفظ نور کا استعمال کرنا چاہیئے تاکہ حضرت کعب بن زہیر کی یاد آئے جنھوں نے کہا کہ رسولؐ بلاشبہ ایک نور ہیں جن سے اُجالا اس طرح آنکھوں کے سامنے پھیل جاتا ہے جس طرح جب نیام سے تلوار نکلتی ہے تو ایک چمک سی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ پورے قصیدہ بردہ کا یہی شعر جان ہے جس پر حضورؐ نے اپنی ردائے مبارک عنایت فرمائی تھی۔

پھر حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کا مقدمہ پڑھا۔ "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" کی بلاغت پر حضرت نے جو روشنی ڈالی وہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ مجرد نام اگر اوصاف و کمال کے بغیر زندہ رہیں تو یہ کوئی خاص بات نہیں "ذِکْر" سے حضرت والا نے ایک نتیجہ یہ بھی نکالا ہے کہ تاریخ کا کوئی دور بھی ایسے شعراء اور ادباء سے خالی نہیں رہا ہے، جنھوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں اس محمود و ممدوح ذات کی مدح و توصیف میں صرف نہ کی ہوں۔

نعت، نعت گوئی اور اس کے فن پر پروفیسر مدنی کا تمہیدی مضمون پڑھا۔ بڑا ہی عالمانہ مضمون ہے۔ مولانا عبد السلام ندوی اور ممتاز حسین کی رائے کا مدنی صاحب نے حوالہ دیا ہے کہ صفات رسول محض پیکر نبویؐ کے حسن و جمال کا نام نہیں جب تک حضور خیر البشر کی سیرت کے مختلف پہلو منکشف نہ ہوں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ میں نعت کو صرف اس حیثیت سے جانتا ہوں جس میں پیکر نبویؐ کے جمال جہاں آرا کا ذکر ہو حضورؐ کے بے پناہ جذبۂ رحمت کا ذکر ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے حضور پر درود بھیجنے کا ذکر ہو۔ شفیع و شافع روز جزا ہونے کا ذکر ہو۔ شبِ معراج کا ذکر ہو۔ اور یہ سب ذکر بڑے سلیقہ سے ہو۔ مشک و گلاب سے تکمیاں کر کے اپنی زبان پر حضورؐ کا اسم گرامی لانے کی خواہش کے ساتھ۔ اس احساس کے ساتھ کہ ہم مدیح کے وجہم نہیں لکھ رہے ہیں۔ یہ ردِ نعت ہے۔ صحرا نہیں ہے قدم تلوار کی دھار پر ہے، الوہیت اور رسالت پورے طور پر واضح ہو۔ لیکن حضورؐ کو بشر ثابت کرنے کے لئے یہ نہ بھول جائے کہ حضورؐ خیر البشر ہیں۔ اللہ کے محبوب ہیں۔ اس لئے ایسی وضاحت نہ ہونی چاہیئے جس میں الفاظ کا استعمال احتیاط سے نہ ہو۔ اور بے ادبی کا ذرہ برابر بھی احتمال نہ رہے۔ نعت بصرف حضورؐ کی رحمت کا بیان ہو۔ چہرہ سراپا نور اس لئے ہے کہ سراپا رحمت ہے ہر بات جو حضورؐ کے دل کی بے پناہ گدازی کے ذکر میں ہو نعت ہے۔ اس لئے کہ حضور سر بسر رحمت ہیں

بطور مثال عرض ہے کہ نعت گو کا موضوع فتح مکہ میں دشمنوں کو زیر کرنے اور مخالفوں کو ختم کرنے کا بیان نہیں ہوگا بلکہ اس کا موضوع معافی کی صدائے عام کا اعلان ہوگا۔ مکہ میں نیاز مندانہ داخلہ کا بیان ہوگا۔ حسنِ سلوک اور پاس وفا کا دن ہونے کا بیان ہوگا۔

کسی عالیشان نعت گو کے لئے حضورؐ کی سپہ سالاری کی بہترین صلاحیت غزوات کے لئے حضورؐ کی پلاننگ۔ انتظامی امور میں حضورؐ کے فیصلے اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے بادشاہوں کو خطوط اور اس طرح کی دوسری باتیں نعت کے موضوعات نہیں ہوں گے اس کے لئے تو سیرۃ النبیؐ کے شاندار لکھنے والے ہیں۔ نعت گو کے موضوعات ہونگے حضرت خدیجہؓ کا فرمانا کہ آپ صلہ رحمی و

رشتہ داری کا پاس و لحاظ کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ محتاجوں کے کام آتے ہیں۔ مہمان کی ضیافت کرتے ہیں۔ یا اُم معبد کا سراپائے رسول کا بیاں... خوش جمال و پختہ کار۔ دیدہ ور۔ نہ فربہ، نہ لاغر۔ شکم جسم کا برابر۔ سر گھنگھرالے کالے بالوں سے بھرا ہوا۔ جس کے اعضاء جیسے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں، چہرہ نورانی۔ صباحت میں ملاحت کی جھلک، پیشانی فراخ۔ سیہ روشن نگاہ۔ پلکیں لمبی اور گھنی۔ باریک محرابی بھویں۔ گردن پہ صراحی کا گمان...

یا پھر مدینہ کی بچیوں کی مدح۔ پہاڑی کے اُس موڑ سے جہاں قافلے رخصت کئے جاتے ہیں آج چودھویں کا چاند نکل آیا ہے۔ سہ

طَلَعَ البدر علینا
من ثنیات الوداع

یا پھر بدر کی فتح نعت کا موضوع نہیں ہوگا۔ ہوگا تو حضورؐ کا بے خود ہوکر دعا مانگنا۔ اے اللہ اگر آج تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو فنا کر دیا تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ یا پھر طائف کے لوگوں کا سلوک اور حضورؐ کا فرمانا۔ الٰہی اپنی کمزوری بے سروسامانی اور لوگوں میں تحقیر کے بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے... حضورؐ کا فرشتوں سے انکار جب وہ دونوں پہاڑیوں کو ملا دینے کی اجازت چاہتے تھے۔

پھر نعت کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے۔ آپ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ جاتے ہیں ساتوں آسمانوں کی سیر ہوتی ہے۔ انبیاء کرام سے ملاقات ہوتی ہے۔

اُن کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی۔ انھوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کی کتنی ہی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

غرض میری نگاہ میں نعت کا تعلق صرف والہانہ شیفتگی سے ہے۔ تخیل نعت کی جان ہے۔ اس میں دل کو دماغ پر، جذبہ کو فکر پر، عشق کو عقل پر ترجیح ہو۔ یہ الفاظ میں نے ان معنوں میں لئے ہیں جسے عام شعراء فارسی اور اردو استعمال کرتے ہیں۔ اس میں جاذبیت اور موسیقی ہونی چاہیئے۔

احساس کی دیانت داری کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی صناعی اپنی پوری لطافت اور دلکشی کے ساتھ جھلکے۔ بے راہ روی کی گنجائش نہیں۔ جو دل عشق کا جلوہ گاہ ہو وہ سروشِ غیبی کا مرکز بھی ہو جاتا ہے۔ شاعرانہ ادراک صوفیانہ ادراک بن جاتا ہے۔ نعت شعورِ حُسن کا اظہار ہے۔ ان لاہوتی طبقات تک پرواز جو صرف عشق کے پر و بال پر ہو سکتی ہے۔

میں زبان عربی کا محرم نہیں ہوں۔ حضرت کعب بن زہیرؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب بن مالکؓ کی نعتوں کے ترجمے جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کی کتابوں "ردائے رحمت" اور "عربی میں نعتیہ کلام" میں پڑھے ہیں۔ میں اپنے نکتہ کی وضاحت کے لئے چند شعار کا ترجمہ لکھوں گا۔

جناب ابوطالب کی مکی مدح کا ایک شعر وہ روشن تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سرپناہ ہیں۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر
آپ سے زیادہ دلربا شخصیت پر میری نگاہ کبھی نہیں پڑی۔ آپ سے زیادہ حسین وجود کو کسی عورت نے جنم نہیں دیا۔

دوسرا شعر:
سیاہ رات میں جب آپ کی جبین مبارک نظر آتی تو ایک چمک ہوتی جیسے تاریک رات میں کوئی شمع روشن ہو۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا شعر:
اگر ذاتِ گرامی میں دوسری روشن دلیل نہ بھی ہوتی تو خود آپ کا چہرۂ انور حقیقت بتا دیتا۔

ہمارے درمیان اللہ کے رسول ایک درخشندہ ستارے کے مانند ہیں جن سے روشنی کی ایک لہر نکلتی ہے جو سب کو روشن کر دیتی ہے

ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب نے لکھا ہے کہ تاریخ و سیر کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے شعر زیادہ ہیں لیکن خالص نعت کے اشعار کم ہیں۔ زیادہ تر اسلام کی عظمت کا مضمون ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جو لکھا ہے وہ نعت اور سیرۃ کے فرق کو واضح کرتا ہے۔ میں نے ان اشعار کو صرف اس لئے لکھا ہے کہ میرا نظریہ واضح ہو جائے کہ نعت رسول صرف سراپائے رسول کے حسن اور ان کی صفاتِ رحمت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اُن کے مرتبہ کے بیان میں ہونا چاہیئے۔ یہ اصحابِ رسول ہیں۔ سرکارِ دوعالمؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اِن شعراء کے یہاں تخیل کی وہ کارفرمائی نہیں جو ایرانی شعراء میں ہے

لیکن سب حضورؐ کے رُخِ انور کے حُسن کے بیان میں یک زبان ہیں مجھے وہ صحابی بھی یاد آتے ہیں۔ جو کسی رات حضورؐ کو یمنی چادر میں ملبوس دیکھتے ہیں اور سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ حضورؐ کا چہرہ زیادہ تاباں ہے یا چاند!

فارسی شعراء نے تو حضورؐ کے سراپا کے بیان میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ عربی کے شعراء صحابیِ رسول تھے۔ اُن کا کون مقابل ہو سکتا ہے۔ میر انیس فرماتے ہیں۔

جن کا ثانی نہیں ایک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کہیں ہونگے نہ صاحب ایسا

فارسی کے بلند و بالا نعت گو صاحب دل تھے اور ولیِ کامل۔ اپنے اشعار میں اثر انگیزی حضور کے سراپا کے بیان سے لیتے ہیں۔ یا حضورؐ کے عالی نسبی سے یا حضورؐ کی شانِ رحمت سے۔

گل از رُخت آموختہ نازک بدنی را
بلبل زتو آموختہ شیریں سخنی را

قدسی اپنی معرکۃ الآرا نعت میں اپنے سید۔ اپنے قلب کے رفیق۔ اپنے طبیب کے پاس درماں طلبی کے لئے جاتے ہیں۔ اپنے مکی مدنی عربی سردار پر اپنے دل و جان کو فدا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں قرآن زبانِ عربی میں اس لئے نازل ہوا کہ آپ عربی ہیں، مدینہ کے گل و گلزار آپ ہی کے سبب سے سبز اور اُس کی کھجوریں آپ ہی کے سبب سے شیریں ہیں۔ شبِ معراج حضورؐ کا عروج آسمانوں کے اوپر سے گزرا۔ اور وہاں پہنچے جہاں کوئی نہیں پہونچا تھا۔

سعدی کے بلغ العلیٰ کے ٹکر کا نعتیہ قطعہ آج تک کوئی نہیں لکھ سکا۔ کمال کا ذکر، جمال کا ذکر، خصال کا ذکر اور خاتمہ صلّ علیہ وآلہٖ پر

خسرو بھی اس محفل کے شریک ہیں جہاں سرکارِ شمعِ محفل ہیں اپنے محبوب کو چہری پیکر، نگار سرو قد اور لالہ رخسار فرماتے ہیں اور کہتے ہیں سراپا آفتِ دل بود شب جائیکہ من بودم۔ ذرا کوئی معمولی شاعر ان صفات کو حضورؐ سے وابستہ کر کے دیکھے۔ نبھا ہی نہیں پائے گا۔

اکثر اردو کی نعتوں کے اندر وہ گداز نہیں ملتا اور خالص نعت کے بہت کم شاعر ہیں ایسے تو ہر شاعر اپنا قصیدہ یا مثنوی حمد و نعت سے شروع کرتا ہے مگر یہ ایک روایت رہی ہے گو۔ ہر اچھے شاعر کے یہاں نعت کے ٹکڑے مل جائیں گے مگر یہ بھی بجلی کی چمک کی طرح ہیں جو فوراً ختم ہو جاتی ہے

وہ دانائے سُبل ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا۔

حالی کے مشہور اشعار وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
یقیناً بہترین نعت ہیں مگر مسدسِ حالی ایک طرح کی فریاد ہے۔ مسدس کو نعت نہیں کہا جا سکتا۔

حفیظ جالندھری کے اشعار
سلام اے آمنہ کے لال اے محبوبِ سبحانی۔۔
بھی نعت کی شکل میں ہیں۔ انتہائی اثر آفریں مگر شاہنامہ اسلام ایک خاص دور کی منظوم تاریخ اسلام ہے نعت نہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب اس حیرت میں رہے کہ ڈاکٹر مدنی غزل گو ہیں یا نعت کے شاعر۔ پھر اس کتاب کو دیکھ کر اس نتیجہ پر آگئے کہ نعت کے شاعر ہیں۔ مجھے عرض کرنا ہے نعت کی خمیر غزل ہی سے ہے۔ نعت گو مزاجی طور پر غزل گو ہوتا ہے۔ خواہ اپنی اس صفت سے خود آگاہ نہ ہو عشقِ حقیقی میں گرمی آہی نہیں سکتی اگر یہاں عشقِ مجازی کا انداز نہ رکھتا ہو۔ مجازی محبوب کے پردے میں جمالِ جہاں آرا کو بے نقاب کرتا ہے۔

محسن کاکوروی کا قصیدۂ لامیہ۔
سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
اپنے نئے اور عجیب اندازِ بیان اور اپنی فضا سے ایک نعتیہ قصیدہ کہلا سکتا ہے۔ تشبیب بہت بہت لوگ چونکے تھے اور اعتراض کیا تھا۔ اردو میں ایسی عجیب و غریب تشبیب اور ایسی تشبیبیں کہاں تھیں۔ حضورؐ کی نعت میں کاشی اور متھرا اور گوپیاں کدھر سے آگئیں بڑا شور و غل مچا تھا۔ مگر امیر مینائی کے نکتہ نے سب کو خاموش کر دیا کہ قصیدہ بردہ جس نے حضورؐ کی بارگاہ میں قبولیت پائی تھی اس کی تشبیہہ بھی کچھ ایسی غیر شرعی سی ہے سعادجدا ہوگئی۔ میرا دل آج مریضِ محبت ہے اور اس کے پیچھے ایسا گرفتار ہے جس کے پیروں میں بیڑی ڈال دی گئی ہے اور اس کے رہا کرانے کی خاطر فدیہ بھی نہیں دیا گیا ہے۔

سعاد حسین ہے۔ ماہ پیکر ہے۔ بے وفا بھی ہے۔ وعدہ خلاف بھی۔ وہ اتنی دور چلی گئی ہے کہ اس کے وصال کی تمنا بھی محال ہے

اردو فارسی کے نامعلوم کتنے نعتیہ کلام اشعار ذہن میں آرہے ہیں کتنے بڑے شاعروں سے شرمندگی ہو رہی ہے۔ کہ ان کے اشعار نہیں لکھے۔ مگر پھر اس مضمون کا خاتمہ کہاں ہوتا۔

اب میں لوٹ کر پروفیسر مدنی کی کتاب پر آتا ہوں۔

طفیل صاحب نے مولانا عبدالسلام اور ممتاز حسن صاحب کی رائے کو ضرور

نقل کیا ہے۔ مگر اپنی نعتوں کو انھوں نے منظوم سیرت النبیؐ بنانے کی کوشش نہیں کی ہے جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے وہ مؤرخ اور سیرت نگاروں کا کام ہے۔ وہ انہی باتوں پر رہے جو نعت کی جان ہیں۔ وہی حضور کے سراپا کا بیان۔ شبِ معراج کا ذکر۔ مدینہ منورہ میں مسلسل حاضری کی خواہش۔ وہاں کی زمین کو سجدہ گاہ صاحبِ منظراں سمجھنا۔ وہیں مرنے اور دفن ہونے کی خواہش۔ اپنی بخشش کی وجہ صرف حضورؐ کی شفاعت کو سمجھنا یہ مشترک موضوعات ایسے ہیں جن کو الگ الگ نعتوں میں الگ الگ ڈھنگ سے پیش کرنا کسی ایسے ہی شاعر کے بس کی چیز ہے جو گداز قلب رکھنے کے ساتھ ستادر الکلام بھی ہو اور اپنی والہانہ کیفیات کو بے حد سلیقہ سے رکھنے کے فن سے واقف بھی ہو۔ عربی کے بے حد احتیاط کی تلقین کو گرہ میں باندھتے ہوئے میں اُن کے مختلف اشعار کو لکھتا ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ صاحبِ ذوق نعت گو کیسے احتیاط سے اپنے جذبہ کو بیان کرتا ہے۔ یقیناً ڈاکٹر مدنی کا حضور کی بارگاہ میں یہ نذرانہ ضرور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

میں نے دیوان کے صرف نعتیہ حصہ کو اپنی تحریر کا مرکز بنایا ہے۔

آیئے اب ڈاکٹر مدنی کے کچھ اشعار پڑھے جائیں۔ یہ شتے نمونہ از خروارے کے ضمن میں آئیں گے۔

حضورؐ کا سراپا۔

اگر تھا غیرتِ صد ماہ کامل چہرۂ انور
تو نور دل کے آگے سر جھکا تھا شاہ خاور کا

بدر کامل بے بھی روشن تر ہے چہرہ آپ کا
گیسوؤں پر آپ کے قربان شامِ عنبریں
انھیں کے گیسوئے پرخم سے ہے گھٹا کا وجود
انھیں کے پرتو رُخ سے ہوا فضا کا وجود

معراج:

شبِ معراج پہنچے کس بلندی تک خدا جانے
کہ واقف کار کوئی بھی نہیں اس سیرِ اکبر کا
ماسوا اللہ ان کا مرتبہ بتلائے کون
عرش جس کُرسی نشیں کا جلوہ گاہِ ناز ہے

شفاعت:

فخرِ شافعِ محشر شفیع المذنبیں احمد
بہر صورت زباں پر آپ ہی کا نام آتا ہے
گنہگارانِ عالم کی لگی ہیں مستقل نظریں
جنابِ سیدِ عالم شفیعِ روزِ محشر پر

مدینے جانے کی خواہش:

سوادِ مدینہ کے ایک لمحہ بھی کہیں نہ رہوں
مقدرات پر جو میرا اختیار چلے
کاش پھر روضہ اطہر سے اشارہ ہو جائے
اور میں چل پڑوں فی الفور مدینہ کی طرف

مدینہ میں مدفن کی خواہش:

مدفن کے لئے مجھ کو ملے خاکِ مدینہ
طیبہ ہی میں نکلے میرا دم بارِ الٰہی
طفیل سید کون و مکاں سن لے دعا میری
پہنچ جاؤں مدینہ میں تو پھر یارب قضا آئے

ایسے ہیرے جواہر اس کتاب مدنی" میں بھرے ہیں۔ ان کا لطف کتاب کے پڑھنے میں ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک ہی مضمون کو کیسے مختلف طریقوں سے باندھا ہے۔

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھو
ایک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھو

میر انیس

بقیہ: مطالعہ کی میز پر

سائز ۲۲×۱۸/۸۔ قیمت ۱۶/- روپئے

ملنے کا پتہ:- مکتبہ السلام جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا ضلع نندربار (مہاراشٹر)

زیرِ نظر کتاب سلام کی عظمت و اہمیت، افادیت، فضیلت اور برکت پر مشتمل چالیس احادیث نبویؐ کا مجموعہ ہے جسے مولانا عبدالرحمٰن ملی ندوی صاحب نے مرتب کیا ہے۔ سلام کے آداب اسکے تقاضے شرعی اصول حسنِ مراتب سلام کی اہمیت اس پر مرتب ہونے والے اجر و ثواب حدیث کی روشنی میں مختصر جامع اور علم فہم انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے خدا کرے سلام کا یہ پیش قیمت تحفہ مقبول خاص و عام ہو۔

جدید نیشن اور اعلیٰ ڈیزائن اور کندن کے زیورات کا واحد مرکز

حاجی صفی اللہ اینڈ سنس جیولرس

قائم شدہ ۱۹۴۰ء

ممتاز ڈگری کالج کے پیچھے جوتے والی گلی، امین آباد لکھنؤ

برانچ:- نگینہ مارکیٹ، جموکشمیر بینک کے سامنے اکبری گیٹ لکھنؤ

فون امین آباد: 213736 رہائش فون: 260177

اکبری گیٹ: 260945

251514 — 255536

خطباتِ حیدرآباد

محمد برہان الدین

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد نے سیرۃ نبویہ پر علمی و تحقیقی انداز میں "خطبات" دئے جانے کا اہتمام کیا تھا جس کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مدظلہ کو دعوت دی گئی تھی، مولانا نے وہاں سات محاضرات (خطبات) دیئے جو بہت مقبول ہوئے۔ خطبات کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد جامعہ اسلامیہ سبیل السلام نے ایک عالیشان اجلاس منعقد کیا جس میں حیدرآباد کے معززین دانشور، علماء و مشائخ کے علاوہ ایک کثیر تعداد میں اہل حیدرآباد شریک تھے اس اجلاس میں حیدرآباد کے ایک بزرگ دانشور جناب الحاج متاز الدین صاحب نے بھی مؤثر مگر جامع تقریر فرمائی تھی اس کا متن ہم یہاں شائع کر رہے ہیں تفصیلی روداد سفر خود صاحب خطبات تحریر فرمائیں گے

(ادارہ)

حضور پُرنور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مبارکہ پر مضامین و تصنیفات تو بے حساب ہیں۔ احادیث کے ذخیرہ سے ان موتیوں کو چُنا گیا۔ ہر زمانہ میں علماء نے سیرت پر کتابیں لکھیں۔ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی۔ اپنوں نے بھی اور غیروں نے بھی اپنی اپنی ہمت اور نیت کے مطابق تفصیلات لکھیں تحقیق شدہ بھی، بلا تحقیق بھی۔ غیر صحیح کتابوں کے جوابات بھی دیئے گئے۔ اور آج تک بھی دیئے جا رہے ہیں۔ بہر حال سوانح نگارانِ پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا ہوتا رہا ہے۔ آکسفورڈ کا ایک عالم اس غیر منتہی سلسلہ کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر چیز ہے"

مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفتر کے دفتر سیاہ کر دیئے جائیں، ساری لسانی طاقتیں صرف کر دی جائیں نتیجہ فارسی کے اس مصرعہ پر ہی آکر ٹھہرے گا کہ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

محترم جناب ماہر القادری کے قلم حقیقت رقم نے لکھا ہے۔ "زبان و قلم کی سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ یہ سیرت نبیؐ کے اعلان و اظہار کا ذریعہ قرار پائیں اور سالہا سال کی زمزمہ خوانی اور ہزاروں صفحوں کی کتابت و املاء کے بعد بھی وجدان و ضمیر اس عجز و درماندگی کا اظہار کریں۔ اور بقول غالب ؎:

غالبِ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

ترجمہ: غالب اپنے خواجہ کی تعریف کو ہم اپنے اللہ پاک پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ذات پاک ہی ہے جو محمدؐ کے مرتبہ سے واقف ہے۔ ؏

ہم نشیں ذکر یار کر کچھ آج
اس حکایت سے جی بہلتا ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی سیرت طیبہ کے مبارک و مسعود موضوع پر خطبات ہیں، جیسا کہ داعی محفل مبارک اور اس یادگار تقریب کے روح رواں محترم مولانا رضوان القاسمی صاحب نے اپنے وقیع حقیقت رقم خطبہ استقبالیہ میں فرمایا ہے۔ خطبات کی تاریخ بہت قدیم ہے کہنے والوں نے تو یہ بھی کہا ہے۔ دراصل قرآن بھی خطبات ہی کا مجموعہ ہے جس میں خود رب کائنات اپنے بندوں سے خطاب فرما رہا ہے۔ قرآن سے پہلے کی مذہبی کتابوں میں بھی بکثرت انبیاء اور اہل اللہ کے خطبات منقول ہیں۔ احادیث نبویہ کا ایک اہم حصہ خطبات پر بھی ہیں، جمعہ کے خطبات عیدین کے خطبات، تربیتی خطبات، جہاد اور خصوصی واقعات کے پس منظر میں دیئے جانے والے خطبات، نیز فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع کے یادگار اور اثر انگیز خطبات، حدیث و سیرت کی کتابوں میں وضاحت و تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ جو گہری معنویت کے مظہر بھی ہیں اور ولولہ انگیز زبان و ادب کا شاہکار بھی۔

ماضی قریب کے ایام میں خطبات مدراس مولانا سید سلیمان ندویؒ اکتوبر نومبر ۱۹۲۵ء خطبات مدراس، علامہ ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمہ (انگریزی) ۱۹۲۸ء افکار اسلامی کی تشکیل جدید، خطبات بنگلور، علامہ ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمہ ۱۹۳۹ء خطبات حیدرآباد، علامہ ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۵ء

خطبات مدراس حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی ۱۹۵۸ء
خطبات بھاولپور ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (۲ خطبات) ۱۹۸۰ء، خطبات بنگلور، مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب ۱۹۹۶ء، خطبات بنگلور مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی ۱۹۹۷ء، اور اب خطبات حیدرآباد، مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ۴ر جولائی تا ۱۱ر جولائی ۱۹۹۹ء (۷ خطبات)

راقم الحروف اس خادم العلم کو ۱۹۵۸ء کے منعقدہ خطبات مدراس میں بہ حیثیت خادم ہمہ وقتی حضرت مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ کے ساتھ شرکت کا موقع ملا تھا، الحمدللہ اس مجلس کی صدارت محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے فرمائی تھی۔ آج کے رونق جلسہ حضرت ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مدظلہ نے وہاں بھی شرکت فرمائی تھی۔ پچھلی یادیں تازہ ہوگئیں۔ ؏

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

آج پھر نصیب یاوری کی اور پھر حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے پرمغز و دقیع خطبات کو سننے کا پروردگار نے موقع عطا فرمایا۔ ان سات خطبات میں مولانا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کے جن پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہیں وہ ہیں

۱۔ انسانیت کے لئے نبوت کی ضرورت اور ہر عہد میں اسوۂ محمدی کی اہمیت۔
۲۔ پیغمبر اسلام۔ عائلی و خانگی زندگی۔
۳۔ معاشرتی و سماجی زندگی (۴) معاملات و اخلاق، (۵) اجتماعی زندگی میں دعوت و اصلاح کا اسلوب (۶) سیرت سازی میں نبوت کے کارنامے، (۷) انسانیت کے لئے پیغمبر اسلام کا پیغام، بہرحال یہ سلسلہ چل رہا ہے چلتا رہے گا۔ اور خدا کرے تا قیامت چلتا رہے یہ کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی
سناتا جارہا ہے جس کو جتنا یاد ہوتا ہے

اس دورِ نبوت کو یاد کر کے اور ذکر رسول کو دہرا کر قلب کو ایک عجیب قسم کا سکون ملتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ؏

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

اللہ پاک توفیق سے نوازے اور دلوں کو عمل کی طرف راغب کردے، اب تو یہ حال ہے ؏

بہلا رہے ہیں اپنی طبیعت خزاں نصیب
دامن پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ بہار کا

اس کیفیت میں ہم تنہا نہیں ہیں ؏

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

بہرحال خوش قسمتی ہے حیدرآباد کی کہ ایک ہفتہ کے لئے ایسا روح پرور اور کیف انگیز ماحول طاری رہا کہ شمع محمدیؐ کے پروانے کانفرنس ہال میں (ایک دن سخت بارش کے باوجود) کھچا کھچ بھرے رہے۔ اور پوری یکسوئی کے ساتھ جلسہ گاہ میں گوش برآواز رہے کیفیت یہ تھی ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ ہمیں کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے تیری فکر سے تیری یاد سے تیرے نام سے

کیا خواص، کیا عوام، مدرسے مساجد اسی ذکر سے معمور تھیں، علماء و مشائخ، دانشوران و محققین، طلباء و مدرسین سب پہ یہی دھن سوار رہتی تھی کہ نماز مغرب باغ عامہ کی مسجد میں پڑھنی ہے کہ معاً بعد پر یادر روشنی ہال میں خطبہ سنا یا جائے گا اللہ پاک اس ذوق کو عام کرے اور عمل بر اسوۂ حسنہ کی توفیق عطا فرمائے۔

معزز خواتین نے بھی مردوں کے دوش بدوش ان خطبات کے سننے میں اپنی پوری دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ اس کا ثبوت ان کی یہ پابندی کثیر تعداد میں حاضری سے ہو رہا تھا۔ اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے یہاں کے مقامی اخبارات نے بھی بھرپور تعاون سے نوازا، پروگرام کی اڈوانس اشاعت اور مابعد جلسہ کی مکمل رپورٹنگ بڑی عمدگی سے ہو رہی تھی جس کے لئے عوام بھی انکے مشکور رہیں۔

دارالعلوم سبیل السلام سے ہماری خواہش اور گذارش ہے کہ مستقبل میں بھی ایسے اہم موضوعات پر اسی طرح کے وقیع خطبات کا اہتمام فرمائے۔ میں نے شخصی طور پر اپنے ان تاثرات کا اظہار آٹھ روزہ پروگرام میں شرکت کے بعد کیا ہے تاہم مجھے توقع اور امید ہے کہ ان احساسات و تاثرات سے دیگر شرکائے جلسہ بھی اتفاق فرمائیں گے۔ اور میری تجاویز کی تائید کریں گے۔

میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حیدرآبادی مسلمانوں کی طرف سے مولانا رضوان القاسمی ناظم دارالعلوم سبیل السلام اور انکے صدیق مکرم و دست راست حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی و دیگر معزز اساتذہ کرام و علمبار کا بے حد شکریہ ادا کروں جنھوں نے رات دن ایک کر کے اپنی جدوجہد اور محنت سے ایسا معرکہ سر کیا جس کا ذکر کرنا بہت آسان ہے لیکن عمل میں لانا لوہے کے چنے چبانا ہے۔ یہ انھیں کا کام ہے جن کا قلبی تعلق گلستان محمدیؐ سے گہرا ہو اور جو سمجھتے ہوں ؎

ہم کو نسبت ہے اس گلستاں سے
جس گلستاں کا خار بھی گل ہے

اللھم زد فزد اللہ پاک ان کو بے حساب اجر سے نوازے آمین ثم آمین۔

سفرنامۂ اُردن و شام

● پروفیسر محمد اجتباء ندوی

(۵)

ہم نے عمان سے دمشق روانہ ہوتے وقت فون سے ڈاکٹر محمود صاحب کو اطلاع کر دی تھی چنانچہ انھوں نے دمشق سے متصل ایک گرمائی مستقر (مصیف) زبدانی میں مظہرانہ کا انتظام کیا تھا، ان دنوں مفتی اعظم شیخ کفتارو کے مخلص رفیق و خلیفہ شیخ بشیر البانی صاحب کا قیام وہاں ہی تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں کار آگئی اور ہم زبدانی روانہ ہوگئے۔ ابوالنور اسلامی اکیڈمی کے ایک ذمہ دار استاذ ابوعماد احمد مجاہد ہمارے مرافق تھے، ہم دمشق کے مشرقی محلہ رکن الدین (می الاکراد) سے نکلے اور شہر کے اہم حصوں اور مغربی محلوں، الشہداء، الصالحیہ، عرنوس، ہاور المہاجرین سے گذرتے ہوئے شمال کی خنک پہاڑی گرمائی بستیوں کی جانب نکل آئے یہ دمشق کا خوبصورت ترین، سحر انگیز، پرکشش دلآویز، بہارآفریں، بارونق اور پرفضا علاقہ ہے مشرق سے مغرب تک کم از کم تیس کیلومیٹر میں پھیلے ہوئے سایہ دار و پھلدار باغات کا سلسلہ ہے، جن کے درمیان تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چھوٹی چھوٹی بستیاں، کوٹھیاں، بنگلے اور فارم ہیں، ہر باغ و مکاں کے بیچ سے نہریں بہتی ہیں انھیں دیکھ کر جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ..... کے روح پرور مناظر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں یہی وہ شرقی و مغربی غوطہ ہے جس کا تذکرہ تاریخ دمشق کے مصنفین نے بڑے دلکش انداز سے کیا ہے شاعروں اور ادیبوں نے اس کے گیت گائے ہیں، میری نگاہیں ان خوشنما مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بے چینی سے ہر سمت اٹھ رہی تھیں۔ ابوعماد نے میری اس کیفیت کو دیکھ کر سوال کیا: کیا کسی چیز کی تلاش ہے؟ میں نے کہا ہاں! دریائے بردی کی تلاش ہے، جس کی شیریں و صاف شفاف نہریں پورے دمشق کے گھر و در اور گلی کوچے کو سیراب کرتی ہیں جس کے بارے میں حضرت حسان بن ثابت نے کہا ہے:

یسقون من ورد البریص علیھم
بردی یصفق بالرحیق السلسلِ

ترجمہ! ان کی بریص نامی نہر پر جو آتا ہے اس کو وہ دیتے بردی کا پانی پلاتے ہیں جس میں اچھی شراب کی ملاوٹ ہوتی ہے۔

اور احمد شوقی کا شعر ہے:

سلام یا صبا بردی أرق
ودمع لا یکفکف یا دمشق
جری وصفق یلقانا بھا (بردی)
کما تلقاک دون الخلد رضوان
دخلتھا وحوانیھا مُرَدَّجَۃ
والشمس فوق الجین الماء عقیان (الذہب الخالص)

ابوعماد سرگوشی کی سہمی آواز میں بڑے رنج و حسرت سے بولے: بہت سی نعمتوں کے ساتھ ہم سے یہ نعمت بھی چھین لی گئی۔ اب اسے بھول جاؤ۔۔۔۔۔

ہم لوگ ربوۃ، دُمر، عامۃ اشرفیہ، جرجانیہ سے گزرتے ہوئے زبدانی پہنچ رہے تھے اور میں احمد شوقی کے یہ شعر گنگنا رہا تھا:-

والخور فی (دُمَر)، أھول (ھامتھا)
ھور کواشفُ عن ساقٍ، وولدان
وارتوۃ الوادی فی جلباب (اقصیۃ)
الساق کاسیۃ، والنھر عریان

یہ وہ گرمائی مستقر ہیں جن کے درمیان سے تلے اوپر سات سات نہریں بہتی ہیں جن میں سے نہر یزید، تورا اور بردی کی شاخیں دمشق اور اس کی مضافاتی بستیوں کو سیراب کرتی تھیں، اور انار، انگور، سیب، ناسپاتی خوبانی، سنترے، برتقال، بادام، اخروٹ انجیر اور زیتون کے شجر ثمر بار کے سایے میں ہیں۔ ہاں جگہ جگہ بلند عمارتیں اور بڑی کالونیاں بھی نظر آئیں۔ استاذ ابوعماد نے دکھ کے ساتھ بتایا کہ غوطہ کے پھلدار درخت کاٹ کاٹ کر یہ فلک بوس عمارتیں تعمیر کی جارہی ہیں، جس سے باغات تو ختم ہو ہی رہے ہیں، دمشق کا حسن و جمال بھی آلودگی کا شکار ہوتا جارہا ہے۔

ہماری کار زبدانی کی بلند پہاڑی کو سر کرتی ہوئی ایک خوبصورت عمارت کے سامنے جھٹکے سے رک گئی، ہم کار سے اترے تو کانوں میں ذکر و تلاوت کی ایمان افروز گونج سنائی دی (کان لہ دوی کدوی النحل) شیخ بشیر البانی اپنے شاگردوں، مریدوں اور اہل مجلس کے ساتھ اذکار و اوراد میں مشغول تھے، ہم ہال میں داخل ہوئے تو شام کے روایتی نغموں و ترانوں کے ساتھ پرزور

استقبال کیا، خیریت دریافت کی اور بڑی محبت سے نمایاں جگہ پر بٹھایا۔ حاضرین مجلس سے ہم دونوں کا تعارف کرایا، دسترخوان چننے تک ذکر و ورد جاری رہا، ہم بھی حسب توفیق ذکر میں شامل ہو گئے۔

شام علم و فضل، فکر و دانش، قیادت سیادت و سیاست کے ساتھ احسان و سلوک، ریاضت، تربیت و تصوف کا مرکز و منبع رہا ہے۔ تین سلسلوں کا حلقہ اثر سب سے زیادہ ہے:-

طریقۂ مولویہ حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا سلسلہ۔ ان کے ذکر کا طریقہ سب سے زیادہ دلچسپ ہے، مجلس ذکر گول دائرہ میں منعقد ہوتی ہے، ایک بزرگ بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ کا ورد شروع کرتے ہیں، پوری مجلس بے خودی کے عالم میں ہو جاتی ہے کہ اچانک ایک صاحب حال بیچ دائرہ میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر رقص کرتا ہے یہ رقص نسبتاً اس تیزی کے ساتھ ہوتا ہے کہ پوری مجلس جھوم اٹھتی ہے، اور استادہ ٹانگ اپنی جگہ سے ہلتی تک نہیں۔ یہ سب اس وقت ختم ہوتا ہے جب تاثیر میں ڈوبی ہوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر سنائی دیتی ہے۔

دوسرا طریقہ نقشبندیہ ہے (شیخ بہاء الدین نقشبندؒ)

تیسرا سلسلہ مجددیہ خالدیہ ہے: شیخ خالد کردی کے ذریعہ شام، ترکی، کردستان، ترکستان اور ازبکستان وغیرہ میں پھیلا، شیخ خالد دہلی کا سفر کر کے حضرت مولانا غلام علی صاحبؒ خلیفہ حضرت مظہر جان جاناںؒ سے بیعت ہوئے، تربیت حاصل کی، خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد دمشق واپس ہوئے۔ اور اس سلسلہ کی ترویج و اشاعت کی، ان کے سلسلہ میں نصف صدی قبل ایک ممتاز بزرگ گزرے ہیں، شیخ ابوالنصر الخمیسیؒ جنھوں نے بہت فیض پہونچایا، شیخ احمد کفتارو بھی سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ شیخ اکبر محی الدین بن عربیؒ بھی اندلس سے دمشق منتقل ہوئے اور حی الصالحیہ میں قیام کیا وہاں ان کی مسجد ہے اور اسی کے تہ خانہ میں مدفون ہیں، "حلۃ الشیخ" کے نام سے سال میں ایک بار ان کا عرس ہوتا ہے یہ سلسلے شام میں کسی نہ کسی حد تک قائم ہیں اور تذکیر و تربیت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ دور جدید کے کچھ بزرگوں کی زیارت و ملاقات کا شرف راقم سطور کو بھی طالب علمی کے دوران حاصل ہوا۔ چند نام آپ بھی پڑھ لیں:-

شیخ ابراہیم الغلائینی (قصلتا) حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کے ہمراہ ۱۹۵۶ء میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اس سفر میں ان کے صاحبزادہ شیخ عبداللہ الغلائینی اور ان کے صاحبزادگان سے ملاقات ہوئی۔ انھیں روایات و اقدار پر قائم ہیں۔ شیخ ابوالخیر المیدانی صدر رابطہ علماء شام، شیخ محمد المکی الکتانی، شیخ حسن حبنکہ، شیخ ہارون الحجار (دمشق) شیخ ابوالخیر زین العابدین، شیخ محمد بنہان اور شیخ محمد الحامد یہ تمام حضرات بڑے اصحاب نسبت بزرگ تھے، ان کے ذریعہ سے شام میں بڑا فیض پہونچا۔ اور جو کچھ اس وقت ہے ان میں ان کی تعلیم و تربیت اور ریاضت و مجاہدہ کا بڑا حصہ ہے۔

ہم اس پر نور محفل میں مغرب تک رہے نماز کے بعد دمشق کی اپنی قیام گاہ واپس آ گئے۔ ۱۰ عملاء سے مجمع النور کے اسلامی ادارہ میں ذریعہ تعلیم ہندوستانی طلباء سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی انھوں نے اسی وقت پیغام بھیجا اور تین طالب علم تھوڑی دیر میں آ گئے۔ سید عبدالماجد غوری، حافظ واجد علی اور یعقوب سلیم، ان طلباء نے بتایا کہ ہمارے ساتھ ایک ہندوستانی طالب علم اور بھی ہیں وہ ہندوستان گئے ہوئے ہیں، ان دنوں تعلیم گاہوں میں موسم گرما کی تعطیلات ہیں۔

سید عبدالماجد غوری سے مراسلت کے ذریعہ تعارف تھا مگر ملاقات یہاں ہوئی، یہ اور حافظ واجد علی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ثانویات سے فارغ ہو کر یہاں آئے ہیں اور یعقوب میاں کے والد دبئی، متحدہ عرب امارات میں مقیم ہیں انھوں نے عربی کی ابتدائی تعلیم دبئی میں حاصل کی ہے اس لئے بآسانی عربی بولتے ہیں اور عالمی لہجہ ان کے لئے بہت معاون ہے۔ تینوں بڑی سعادتمندی اور خدمت گذاری کے حوصلہ سے پورے دوران قیام ساتھ ساتھ رہے۔

دہلی میں میرے ایک پڑوسی شام کے معروف شہر حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (حمص) کے باشندہ انجینئر زکریا الشیخ محمود ہیں۔ انھوں نے باصرار کہا تھا کہ میں ان کے یہاں حمص ضرور جاؤں۔ شام کا ویزا حاصل ہو جانے کے بعد انھوں نے اپنے والد صاحب کو میرے سفر کے بارے میں فون سے اطلاع کر دی تھی، ان کے والد شیخ عوض الشیخ محمود دہلی جا چکے ہیں اور ان سے میری ملاقات تھی وہ اور ان کے گھر والے سراپا اشتیاق تھے، چنانچہ میں نے انھیں دمشق پہونچتے ہی فون سے اطلاع کر دی تھی وہ لوگ چشم براہ ہو گئے۔ (جاری)

کتب برائے تبصرہ

تبصرہ کے لئے براہ کرم کتاب کے دو نسخے ارسال کریں، صرف ایک کتاب بھیجنے کی صورت میں تبصرہ شائع نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی کتاب واپس کرنے کی ذمہ داری ادارہ پر ہوگی۔ (ادارہ)

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● ایک جرمن اخبار "دی فش" نے ایک سروے جرمنی کے دار السلطنت "بون" میں کیا جس میں جرمنوں کی اکثریت نے کہا کہ سرکاری اسکولوں کے نصاب میں اسلامی مطالعہ کو شامل کیا جائے اس سروے میں ایک ہزار افراد میں سے ۶۲ فیصد نے اسلامی مطالعہ کی تصدیق کی جبکہ ۳۹ فیصد اس کے خلاف تھے باقی نے کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ واضح رہے کہ بعض جرمن ریاستوں میں مثلاً ویسٹ فالیا، نارتھ رائن، سیکونی کے اسکولوں میں اسلامی مطالعات کو ایک اختیاری مضمون کے طور پر پہلے ہی سے پڑھایا جاتا ہے۔

● سوئٹزرلینڈ کی مسلم تنظیموں کو اپنا ایک نمائندہ بورڈ تشکیل دینے میں کامیابی حاصل ہو گئی ہے جسے یونین آف اسلامک آرگنائزیشن کا نام دیا گیا ہے، مغربی یورپ میں اسلامی وجود کے اثبات کی راہ میں یہ ایک اہم قدم ہے اور اس کے لئے مسلم تنظیموں کے ممبران کے مابین بنیادی انتخابات کا جو طریقہ اپنایا گیا ہے وہ یقیناً اس کی کامیابی کا ضامن ہوگا، یونین کے صدر کا انتخاب دو سال کے لئے ہوا ہے، صدر منتخب ہونے کے بعد صدر نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا کہ جس چیز نے انھیں یہ ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ ان کی یہ خواہش ہے کہ مملکت سوئٹزرلینڈ دیگر مذاہب کی طرح مذہب اسلام کو تسلیم کرے تاکہ مسلمان بالکل الگ تھلگ ہو کر نہ رہ جائیں انھوں نے بتایا کہ ہمارے لئے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ یہاں مقیم مسلم برادری میں مسلکی اور فکری اختلافات پائے جاتے ہیں تاہم انھوں نے کہا کہ ان مسائل سے نمٹنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ فروعی چیزوں سے بحث نہ کی جائے بلکہ اس امر پر زور دیا جائے کہ سوئٹزرلینڈ جیسے ملک میں بحیثیت مسلمان اتحاد کی توفیق حاصل کر کے زندگی گزاریں۔

● ایک اخباری رپورٹ کے مطابق برونائی دار السلام جو ایک مسلم اکثریتی ملک ہے اس میں بے شمار خوبیاں ہیں مثلاً یہ دنیا کے ان چند ممالک میں سے ایک ہے جن میں شہریوں پر کوئی ٹیکس نہیں، جس کی آبادی ۳ لاکھ ۵ ہزار ہے یہ ایک ایسا جزیرہ ہے جس کا کل رقبہ ۵ ہزار ۸ سو مربع کلو میٹر ہے اور جس کی ۷۵ فیصد زمین پر جنگل ہے جس میں جرائم کی شرح صفر ہے اس ملک میں شادی کے بعد نئے جوڑے کو سرکاری فنڈ سے حج کرایا جاتا ہے ان نئے شادی شدہ جوڑوں کو سلطان کی طرف سے رہائشی پلاٹ اور اس پلاٹ پر ضرورت کے مطابق گھر بنا کر دیا جاتا ہے جس کی قسطیں ان لوگوں کو بیس سال میں ادا کرنا ہوتی ہیں، حکومت ہر شہری کو گاڑی کے لئے بہت ہی آسان شرائط پر قرض دیتی ہے، ملک میں علاج اور تعلیم خواہ وہ کسی بھی سطح کی ہو بالکل فری ہے بہر حال اپنی ان تمام خوبیوں اور کچھ خامیوں کے باوجود برونائی قابل دید جگہ ہے یہ دنیا کا واحد ملک ہے جہاں خزاں نہیں آتی موسم خواہ کوئی بھی ہو اس کے درختوں کے پتے پیلے نہیں ہوتے ان کی شاخیں ننگی نہیں ہوتیں اور سبزہ کا تو یہ عالم ہے کہ وہ اگنے کے لئے بہانہ تلاش کرتا رہتا ہے ایک سیاح کے بیان کے مطابق اگر آپ اپنا گیلا کوٹ باہر ٹکائیں تو شام سے پہلے اس کی جیبوں اور اس کے کالر پر چھوٹی چھوٹی کونپلیں پھوٹ چکی ہوں گی کیونکہ برونائی کی فضا میں قوت نمو اس قدر ہے کہ شاید اس کی اسی سبز فضا کی وجہ سے اسے "گرین جیول" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت ——

خریداری نمبر اور اپنا پتہ

صاف اور خوش خط تحریر فرمائیں (ادارہ)

قنوج کے قدیم مشہور و معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ و اعلیٰ عطریات "شمامۃ العنبر، عطر گلاب، روح خس، عطر موتیا، عطر حنا، عطر گل، عطر کیوڑہ" اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔

ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں۔

فون ۲۲۲۲۵

محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر

ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر۔ قنوج۔ یوپی —— ایڈیل پرفیوم سینٹر (پرائیوٹ لمیٹڈ) قنوج

سوال و جواب

مطیع الرحمٰن عون ندوی

س:۔ کیا کھانا کھاتے وقت سر پر ٹوپی لگانا ضروری ہے، نہ لگانے کی صورت میں شیطان کھانا کھا جاتا ہے کیا یہ درست ہے؟

ج:۔ کھاتے وقت ٹوپی لگانا ضروری نہیں ہے، مذکورہ بات درست نہیں ہے کہ کھانا شیطان کھا جاتا ہے۔

س:۔ زید اور حامد نے مل کر انڈے کا کاروبار کیا۔ زید نے سرمایہ لگایا۔ اور دس فیصدی نفع طے کیا۔ اور حامد کی محنت پر مضاربت کی، چونکہ گرمیوں میں انڈے کا (نرخ) ریٹ گر جاتا ہے اس لئے کولڈ اسٹوریج میں انڈے رکھ دیئے، اتفاق ایسا ہوا کہ اسٹور سے نکالنے کے بعد سارا مال خراب ہوگیا۔ اب آیا زید کو حامد سے طے شدہ معاملے کے مطابق دس فیصد نفع لینا صحیح ہے؟

ج:۔ جب سارا مال خراب ہوگیا تو نفع کا کیا سوال؟ زید کا سرمایہ گیا اور حامد کی محنت گئی۔

س:۔ کیا غیر مسلم نابالغ بچہ کا قرآن شریف کو ہاتھ لگانا اور پڑھنا صحیح ہے؟

ج:۔ چونکہ بچے مکلف نہیں ہوا کرتے خواہ مسلمان کے ہوں یا غیر مسلم کے، اس لئے ان کا قرآن شریف کو ہاتھ لگانا اور پڑھنا درست ہے۔

س:۔ خودکشی یا خودسوزی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

ج:۔ خودکشی یا خودسوزی اگرچہ کبائر میں ہے پھر بھی خودسوزی و خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

س:۔ مدرسہ کے سفیر جو چندہ کرتے ہیں اس پر کمیشن لینا درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ کمیشن لینا درست نہیں ہے۔

س:۔ حاجی حج کرنے کے بعد جو رسمی دعوت کرتے ہیں اس کو قبول کرنا کیسا ہے؟

ج:۔ سفر حج سے واپسی کے بعد دعوت درست ہے، فقہاء نے اس کو جائز لکھا ہے۔

س:۔ میرے بچے کے ہاتھ میں خلاف معمول چھ انگلیاں ہیں جسے عام لوگ عیب تصور کرتے ہوئے میں زائد انگلی کو کٹوانا چاہتا ہوں، شریعت کی نگاہ میں ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

ج:۔ زائد انگلی کٹوا سکتے ہیں شرعاً یہ عمل درست ہے۔

س:۔ ڈاکخانوں میں حکومت۔ نہ بینک کی طرح ایک محکمہ بنایا ہے جس میں لوگ اپنی رقم جمع کرتے ہیں اس پر سود بھی ملتا ہے، ایک آدمی اس محکمہ میں کافی محنت و جانفشانی کرتا ہے اس محکمہ کا وہ ممبر ہے حکومت اس ممبر کو لوگوں کے جمع روپیوں میں سے ماہانہ کچھ رقم دیتی ہے۔ اگر لوگوں نے پچاس ہزار روپئے جمع کئے ہیں تو ممبر کو ڈھائی ہزار ملیں گے۔ یہ رقم بطور تنخواہ ہے یا سود، اور کیا یہ عمل درست ہے؟

ج:۔ مذکور شکل سودی کاروبار میں اعانت کی ہے جس کی ممانعت قرآن و حدیث سے ثابت ہے، اس لئے ممبر کو ملنے والی رقم لینا درست نہیں ہے چونکہ معصیت میں اعانت ہے اس لئے کوئی جائز و حلال پیشہ اپنالے اور اولین فرصت میں مذکور کام چھوڑ دے۔

دعائے مغفرت

● حاجی محمد حنیف صاحب کے فرزند حاجی حبیب احمد صاحب (کلکتہ) کا حال ہی میں ایک کار حادثہ میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم ندوۃ العلماء کے عقیدتمندوں اور خیر خواہوں میں سے تھے بالخصوص سفراء ندوہ کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔

● تعمیر حیات کے قدرداں اور ندوۃ العلماء سے خصوصی تعلق رکھنے والے خیر الدین صاحب کے والد ماجد نصیر الدین صاحب کا اپنے آبائی وطن ستھن سلطانپور میں ۲ر جون ۹۹ء کو انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

عمدہ کاغذ، رعایتی قیمت، بہتر سے بہتر سائز
NOTE BOOK
حرمین
اردو کاپی
ملنے کا پتہ:۔
مکتبۃ الحرمین مسجد مرکزوالی ڈاکٹر بلڈنگ این وہ روڈ
امین آباد لکھنؤ۔
مذکورہ بالا پتہ سے تعمیر حیات جاری کرا کے رسید حاصل کرسکتے ہیں۔ صبح ۸ر بجے سے رات ۸ر بجے تک
فون نمبر: ۲۱۷۹۵۶

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب: مادینك ؟ تیرا دین کیا ہے؟
تالیف: صوفی عبدالرحمٰن صاحب خلیفہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
قیمت: مذکور نہیں
ملنے کا پتہ: محمود اینڈ کمپنی روشن ہاؤس مروی پائپ لائن بمبئی ۵۹

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبوب دین دین اسلام ہے، اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے عبادت اور بندگی کے لائق صرف وہی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور آخری رسول ہیں، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے، اسلام ہی سچا اور مکمل دین ہے اور دنیا اور آخرت کی فلاح و کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اسی عقیدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیر نظر کتاب میں صوفی عبدالرحمٰن صاحب نے توحید و رسالت نماز روزہ زکوٰۃ حج۔ قبر، جنت، جہنم، حقوق العباد، معاشرت معاملات، اخلاق، سیرت، طریقت، سیاست، احسان و سلوک، علامات قیامت کے متعلق وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا اسلوب عام فہم اور آسان ہے اور کم پڑھا لکھا آدمی بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے تمام مسلمانوں کو نفع اٹھانے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

نام کتاب: مَنْ رَبُّكَ ؟ تیرا رب کون ہے؟
تالیف: صوفی عبدالرحمٰن صاحب خلیفہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
سائز: جیبی
ملنے کا پتہ: رشید احمد عبدالرحمٰن ۱۵ ازاگ دیوی اسٹریٹ، بمبئی ۳

تمام عالموں کا پالنہار اور پرورش کرنے والا اللہ رب العالمین ہے اللہ تعالیٰ کے اسم رب اور صفت ربوبیت کا یہ فیضان ہے کہ دنیا کا ہر مومن و مشرک، مسلم و کافر اور تمام مخلوق کو اللہ رب العالمین کی طرف سے رزق مل رہا ہے۔ "رب" کا لفظ قرآن کریم کے اندر تقریباً ایک سو نسل اجگوں پر آیا ہے۔

اس رسالہ میں لفظ "رب" کی تشریح کے ساتھ ساتھ توحید کی اہمیت، اتحاد و اخوت اور استقامت کی افادیت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے اسم رب بلکہ رب العالمین کی معرفت نصیب فرما کر قبر میں منکر نکیر کو رب کے سوال کا جواب دینا آسان فرمائے۔

نام کتاب: ہادیات حدیث
مرتب: مفتی رشید احمد معروفی
صفحات: ۱۱۲، سائز ۱۸×۲۲/۸، قیمت کا ذکر نہیں
ملنے کا پتہ: مکتبۃ الحبیب، دار العلوم مہذب پور کھٹہنہ پوسٹ سنجر پور، اعظم گڈھ۔

علم حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و احوال کی معرفت حاصل ہو۔ یہ رسالہ حدیث کی معتبر کتاب ترمذی شریف کے مقدمہ کے ترجمہ و تشریح پر مبنی ہے جس میں ہادیات حدیث، اس کی تعریف، موضوع، غرض و غایت وجہ تسمیہ، حکم، فضیلت اور حدیث سے متعلق بہت سی اہم باتوں کو بیان کیا گیا ہے جو حدیث کے طلبا و اساتذہ دونوں کے لئے مفید ثابت ہوں گی۔

نام کتاب: نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین
مصنف: مفتی حبیب اللہ قاسمی، صفحات: ۴۴
سائز: ۱۸×۲۲/۸، قیمت کا ذکر نہیں
ملنے کا پتہ: مکتبۃ الحبیب، دار العلوم مہذب پور کھٹہنہ بنجر، اعظم گڈھ (یوپی)

پیش نظر رسالہ مصافحہ کے موضوع پر حدیث کی حدیث روشنی میں علمی اور تحقیقی انداز سے لکھا گیا ہے، مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا مسنون ہے یا ایک ہاتھ سے؟ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اہل سنت والجماعت کا معمول دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا رہا ہے اور یہی مسنون ہے۔ اس رسالہ میں مصافحہ کی لغوی و شرعی تحقیق و حیثیت بتائی گئی ہے اور مصافحہ کا فائدہ اور اس کا مسنون طریقہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

نام کتاب: افشاء السلام
تالیف: مولانا عبدالرحمٰن ملی ندوی، صفحات: ۴۸

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

بقیہ: شاہانِ ہند کی وسیع النظری

گیا تھا چنانچہ مسلمانوں نے اس ملک میں جو شہر آباد کئے ہیں ان میں اس دور کی ضرورتوں کے مطابق منصوبہ بندی کو مدنظر رکھا گیا تھا عوام کی شہری اور تہذیبی ضرورتوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی اور اس طرح مسلمانوں کے دورِ حکومت میں آباد ہونے والے شہر اس عہد کے خوبصورت ترین شہر سمجھے جاتے تھے۔

لباس، طعام اور رہائش وغیرہ کے سلسلہ میں بھی مسلمانوں نے اس ملک کے باشندوں کو نئی نئی اور ترقی یافتہ چیزوں سے متعارف کرایا تھا اور اس طرح یہاں ایک مشترکہ تہذیب کو جنم دیا جو ہندوستان کی قومی تہذیب کہلاتی ہے۔ اور اگر اس میں سے ان اصلاحات اور اضافوں کو نکال دیا جائے جو مسلمانوں کی بدولت ہوئے تھے۔ تو اس تہذیب میں کوئی جان اور کشش باقی نہیں رہ سکتی۔

تیرہویں صدی عیسوی میں مشہور سیاح "مارکوپولو" ہندوستان آیا تھا اس نے اپنے سفرنامہ میں ہندوستان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے اس وقت کے ہندوستان اور مسلمانوں کی حکومت کی حکمت عملی پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے وہ لکھتا ہے کہ "ہندوستان ایک وسیع اور خوشحال ملک ہے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اتنا بڑا ملک ایک ہی بادشاہت میں بالکل متحد ہے۔ پورے ملک میں امن اور نظم و نسق کا حال یہ ہے کہ لوگ سونا اچھالتے ہوئے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک چلے جاتے ہیں لیکن کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا جبکہ دنیا کے برعکس ہندوستان میں مذہبی تعصب کا نام و نشان تک بھی نہیں ملتا۔ ملک میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہے لیکن سلطنت کی ملازمتوں اور کاروبار کے دروازے سب پر کھلے ہوئے ہیں مسجدوں کے ساتھ ساتھ مندر اور گرجا بھی آباد ہیں اور اس ملک کے سب باشندے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتے ہیں۔"

مارکوپولو نے مسلمانوں کے زمانے کے ہندوستان کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے پیش نظر اول تو اس الزام کی پوری طرح تردید ہو جاتی ہے کہ مسلمان اس ملک کو اپنا وطن نہیں سمجھتے تھے اور انھوں نے اسے ترقی دینے اور خوشحال بنانے کے لئے کچھ نہیں کیا تھا اور دوسرے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو ترقی اور تعمیر کے جس راستہ پر چلنے کی دعوت دی تھی وہ ہندوستان میں اسی راستہ پر چلتے رہے تھے اور انھوں نے اس ملک میں رواداری کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا تھا جو آپ اپنی مثال۔ (شکریہ الحسنات، رامپور جون ۱۹۹۹ء)

بقیہ: درس حدیث

سمجھ کو بڑھایا جائے، معانی کا لقشہ سامنے کر دیا جائے، تاکہ وہ ذہن میں بیٹھ جائے، اور کسی ایک ہی واقعہ پر قوتِ فکریہ کو مرکوز کر دیا جائے۔

۴۔ کسی چیز کی کسی چیز سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ ہر اعتبار سے مشابہ ہو، اس لئے مخلوقات میں سے کوئی چیز شرف انسانیت کی ہم پایہ نہیں ہو سکتی۔

۵۔ بڑوں کا پاس و لحاظ اور شرم مستحب ہے جبکہ کوئی اہم مصلحت نہ فوت ہو رہی ہو، اسی لئے حضرت عمر کو تمنا ہوئی کہ کاش ان کے بیٹے نے خاموشی نہ اختیار کی ہوتی۔

۶۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑوں کا احترام ملحوظ رکھنا چاہئے، اور چھوٹا اپنے باپ کو آگے بڑھائے اس کے سامنے بات کرنے میں سبقت نہ کرے، اس کی سمجھ میں جو کچھ آیا اس کو بیان کرنے میں جلدی سے کام نہ لے، چاہے اپنی بات کو صحیح ہی کیوں نہ سمجھ رہا ہو۔

۷۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ دلیل بھی دی ہے کہ دل میں اگر عمل خیر پر تعریف کا خیال پیدا ہو تو یہ قابلِ تنقید نہیں جب کہ یہ اللہ کے لئے ہو۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے دل میں بات آئی کہ اگر عبداللہ بن عمر نے دل کی بات بیان کر دی ہوتی تو ان کے لئے باعث شرف ہوتی۔

حضرت عمرؓ کی تمنا کا سبب خیر کی وہ فطری محبت تھی جس کو انسان اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے پسند کرتا ہے تاکہ بیٹے کی فہم و ذہانت کی فضیلت بچپن ہی سے ظاہر ہو اور اس لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کی قدر بڑھے شاید حضرت عمرؓ کا منشا یہ تھا کہ حضورؐ حضرت عبداللہ کے لئے اس وقت زیادتی فہم کی دعا فرماتے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس کے لئے دعا فرمایا تھا، جب انھوں نے اپنی سمجھ سے بلا کہے استنجا کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے پانی رکھ دیا تھا، اس ذہانت اور فہم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی تھی کہ "اے اللہ عبداللہ بن عباس کو دین کی سمجھ دے اور معانی کو سمجھنے کی صلاحیت عطا فرما، حضرت عمر کی تمنا کا یہی مطلب تھا۔

۹۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیٹا صحیح رائے قائم کرے تو باپ کو خوشی ہوتی ہے۔

۱۰۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ والد کی موجودگی میں جو بات اس کی سمجھ میں آئی ہے اس کا بیان کرنا ناپسندیدہ نہیں ہے، نہ اس میں بے ادبی ہے۔

۱۱۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اپنے بڑوں اور بزرگوں سے کتنا شرم و حیا کرتے تھے، کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

شاہانِ ہند کی وسیع النظری

ریوندر چوپڑا

مسلمانوں نے جس دور میں ہندوستان کو اپنی فاتحانہ سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا، تاریخ کے نئے تجزیہ کے مطابق اسے جاگیرداری کا زمانہ قرار دیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں بلندہمت اور جنگ جو افراد اپنے قبیلوں کو لے کر دوسرے علاقوں کی تسخیر کے لئے نکل جایا کرتے تھے۔ اور کامیابی کی صورت میں وہاں اپنی سلطنت قائم کر لیتے تھے لیکن اس دور میں جو سلطنتیں قائم ہوئی تھیں ان کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فاتح قومیں اور ان کے برسر حکومت افراد ہی ان حکومتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے اور عوام کے حقوق اور مفادات کی حفاظت اور استحکام پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے چونکہ وہ زندگی کے ایک ایسے نظام پر یقین رکھتے تھے جو اسلام نے انھیں عطا کیا تھا۔ اس لئے وہ جس ملک میں بھی گئے وہاں انھوں نے اس عہد کی عام روایات کے برعکس ایسی روش اختیار کی جو بالکل نئی تعمیری اور ترقی پسندانہ تھی چنانچہ ہندوستان کی تاریخ ان کے طرز حکومت اور مقصد حکومت پر پوری طرح روشنی ڈالتی ہے۔

تاریخ کے نئے تجزیہ کے مطابق اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا عہد حکومت شخصی اور جاگیردارانہ حکومت کا دور تھا۔ لیکن اس ملک میں وہ تمام خصوصیتیں پیدا کر دی تھیں جو ایک ترقی یافتہ اور خوشحال ملک میں ہونی چاہئیں۔

اس زمانہ کی حکومتوں کا عام ڈھنگ یہ تھا کہ ملک کی آمدنی سے صرف حکمراں خاندان ہی فائدہ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ حکمراں خود اپنے ہم مذہب دوسرے طبقوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے ہندوستان میں مذہبی رواداری کو اپنا اصول بنایا تھا اور اس عہد کے علمائے اسلام نے ہندوستان کے باشندوں کو کم و بیش اہل کتاب کا درجہ دے کر انھیں وہ تمام حقوق دیدیئے تھے جو اسلام کی رو سے مسلمانوں کی حکومت میں اہل کتاب کو حاصل ہیں پھر مسلمان حکمرانوں نے اس ملک کی دولت کو صرف اپنی ذات یا اپنے خاندان ہی کے لئے مخصوص نہیں رکھا تھا بلکہ ان کے عہد حکومت میں عوام نے تہذیبی، اقتصادی اور تمدنی اعتبار سے بے حد ترقی کی تھی۔

آج سیاسی ضرورتوں اور مذہبی تعصب کے ماتحت یہ کہنا بہت آسان ہے کہ مسلمان حکمراں ہندوستان کو اپنا وطن نہیں سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندوستان نے جو ترقی کی تھی اور اس ملک کے متعلق ان کا جو رویہ تھا وہ، بجائے خود اس الزام کی تردید کے لئے کافی ہے۔

مثال کے طور پر تاریخ کی اس نمایاں حقیقت کو جھٹلانا ممکن نہیں ہو سکتا کہ جس زمانہ میں مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کی بنیاد قائم کی تھی ہندوستان بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ پورے ملک کی کوئی ایک متحدہ پالیسی نہیں تھی ان بہت سی ریاستوں کے حکمرانوں کے اختلافات اور جھگڑوں کی بدولت آمدورفت اور نقل و حرکت کے ذرائع محدود تھے۔ جن کی وجہ سے ملک کی صنعت و حرفت اور تجارت بھی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے اس ملک کے مختلف حصوں کو فتح کر کے پورے ملک کو متحد کیا تھا۔ پورے ملک کی صنعت و حرفت اور تجارت کے لئے ایک پالیسی بنائی تھی اور شمال سے لے کر جنوب تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک آمدورفت اور نقل و حمل کے ایسے وسائل مہیا اور میسر کئے تھے۔ جنھوں نے تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی کی انتہائی منزل پر پہونچا دیا تھا اور عوام کی خوشحالی میں اس درجہ اضافہ ہو گیا تھا کہ یورپ کی قومیں اس ملک پر حریصانہ نظریں ڈالنے لگی تھیں۔

مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندوستان کی ترقی اور دولتمندی کا جو عالم تھا، ہیکل کے الفاظ میں اس کے متعلق یورپ والوں کی رائے یہ تھی۔

"دنیا کی تمام قومیں اس ملک کی دولت سے فائدہ اٹھانے کی خواہش مند ہیں۔ ہندوستان میں ہیروں، جواہرات اور سونے چاندی کے ڈھیر لگے تھے یہاں گلاب کا عطر پانی کی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہاں کی مصنوعات ساری دنیا میں مقبول ہیں۔"

مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندوستان اور اس کے باشندوں نے جو ترقی کی تھی وہ صرف خوشحالی ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ اس ترقی کو ہندی اور تمدنی ترقی کے لئے بھی استعمال کیا

(باقی ص ۳۲ پر)